اب کے برس

(شاعری)

تمام عمر تلاشِ سحر میں رہتے ہیں
ہم ایسے لوگ ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں

فاطمہ تاج

جملہ حقوق بہ حق مصنفہ محفوظ ہیں

تاریخ و سنِ اشاعت : ۵ / مئی ۱۹۹۲ء

تعدادِ اشاعت : ۵۰۰

کتابت : مسعود انور

قیمت : ۲۰/- روپے

طباعت : اعجاز پریس۔ چھتہ بازار۔ حیدرآباد

سرورق : فہیم احمد

طباعتِ سرورق : انتخاب پریس، جواہرلال نہرو روڈ حیدرآباد

ناشر : محفلِ خواتین۔ حیدرآباد۔

Acc No-
584

:- کتاب ملنے کا پتہ :-

- حسامی بک ڈپو۔ مچھلی کمان۔ حیدرآباد - ۵۰۰۰۰۲
- مکتبہ جامعہ دہلی۔ جامعہ نگر۔ دہلی
- مصنفہ - ۳۳۹ - ۳ - ۲۲، مگر باؤلی۔
میر چوک - حیدرآباد - ۵۰۰۰۰۲

28/ROP
٣

584

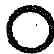
انتساب





آنکھوں کی اُس پہلی روشنی کے نام
جس نے دنیا اور دنیا والوں کو دیکھنے
اور سمجھنے کا اعزاز بخشا۔





فاطمہ تاج

ترتیب و تزئین

غزلیں

پیش لفظ

اُردو کی تازہ وارد شاعرات کی فہرست میں فاطمہ تاج کا نام ایک خوشگوار اضافہ ہے۔ غزل کی صنف سے انھیں زیادہ لگاؤ ہے۔ انھوں نے اُردو کے کلاسیکی غزل گو شعراء کا مطالعہ کیا ہے اساتذہ کی زمینوں میں غزلیں کہہ کر مشق و ممارست کی منزلیں طے کی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ اُن کے کلام میں روایت کی پاس داری زیادہ ملتی ہے۔ بیشتر جدید شاعرات کے برخلاف انھوں نے غزل کے واحد متکلم کے لئے تذکیر کی جنس کو ترجیح دی ہے۔ اس کے باوصف ان کی شاعری میں نسائی احساسات و جذبات کی جھلک جا بجا نظر آتی ہے۔

"اب کے برس" فاطمہ تاج کی شاعری کا نقشِ اول ہے۔ اس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک منفرد لہجے اور اسلوب کی تلاش میں ہیں اور اس میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کرلی ہے۔ ذیل کے اشعار فاطمہ تاج کی شاعری کے نئے امکانات کا پتہ دیتے ہیں۔

تمام شب جو مسافر کے ساتھ چلتے ہیں
ہمیں بھی پائیں گے اک دن وہ ان ستاروں میں

سانسیں گنتی ہے زندگی میری
زخمِ دل کے گِنا نہیں کرتی

سنا ہے ہوش میں اب آگئے ہیں دیوانے　　امیرِ شہر کی کب جانے کیا خبر آئے

-۲-

اک ربطِ خاص اب بھی ہے صحنِ چمن سے تاج　　گو آشیاں نہیں ہے غمِ آشیاں تو ہے

-۲-

جس کو منزل سمجھ رہے ہیں سبھی　　وہ بھی تیرا ہی نقشِ پا ہو گا

-۲-

کچھ ایسی راہوں پہ ہم بھی نکل پڑے ہیں تاج　　سفر تو ہوگا مگر کارواں نہیں ہوں گے

-۲-

تری زباں نے دلاسا تو دے دیا لیکن　　تری نگاہ ہمیں سوگوار کرتی ہے

-۲-

آسماں کو دیکھ کر تاروں سے رشتہ جوڑ کر　　حسرتِ پرواز کیا یوں ہی نکالی جائے گی

-۲-

وہ کسی وقت بھی موسم کے طرف دار تھے　　خار پھولوں سے تو ہر حال میں بہتر نکلے

-۲-

ایک ان جانا خوف طاری تھا　　ہو گئے تیرے ہم سفر پھر بھی

اِن اشعار میں فکر و احساس کی تازگی کے ساتھ اظہار کی ندرت اور برجستگی ہے۔ اگر اس سمت میں اپنا تخلیقی سفر جاری رکھیں تو مجھے یقین ہے کہ وہ جلد ہی جدید تر شعراء کی صف میں اپنا مستحقہ مقام حاصل کرلیں گی۔

۲۵۔ اپریل ۱۹۹۲ء

پروفیسر مغنی تبسّم
سابق صدر شعبۂ اُردو جامعہ عثمانیہ

سلطانہ شرف الدین احمد

تازہ ہوا

محفلِ خواتین کا اجلاس شروع ہوا چاہتا تھا۔ خواتین آئی جا رہی تھیں۔ گہما گہمی سی نظر آ رہی تھی۔ میں ہال میں داخل ہوئی۔ دیکھا بہت سی خواتین براجمان ہیں۔ سلام آداب کے بعد میں اپنی نشست پر جا بیٹھی۔ آج ایک نیا چہرہ دعوتِ نظر دے رہا تھا۔ کسی قدر غور سے دیکھا۔ شکل جانی پہچانی لگی۔ اچانک دو نئی آنکھیں چار ہوئیں۔ دیکھنے کے انداز میں تیکھا پن تھا، شرارت کی دمک تھی۔ دبی دبی مسکراہٹ نے متوجہ کرلیا۔ ایک یقین سا ابھرا۔ جیسے میں ان آنکھوں اور ان کے دیکھنے کے انداز سے آشنا ہوں، جانتی ہوں گویا میری یادداشت میں رہ گئی تھیں، یہ آنکھیں۔ میں نے سوچا۔ یہ ہنس مکھ چہرہ ضرور میرے شاگردوں کے کارواں میں شامل رہا ہوگا۔ جب بھی نظریں ملتی ہیں احتراماً جھک جاتی ہیں۔ تجسس سا پیدا ہوا۔ مگر میری کھوج نے صبر کے دامن میں پناہ لے لی۔ یہ ایسا لمحہ نہ تھا جس میں اس جذبہ کی تشفی کی جاتی، پروگرام شروع ہو چکا تھا۔ مضمون، افسانہ، مشاعرہ سب ہی کچھ تو ہو رہا تھا۔ محفل اختتام کو پہنچی اور یہ گستاخ آنکھوں والا شریر چہرہ میرے قریب پہنچ چکا تھا۔ تعارف سے پتہ چلا کہ وہ میرے اولین شاگردوں کے گروہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ ذرا ذرا سی لڑکیاں کس قدر سرعت

سے بڑھ جاتی ہیں۔ کتنی جلد پھوٹ پھاٹ سکے اونچی پوری ہو جاتی ہیں - ہر ادا میں عورت، پن اس قدر رس بس جاتا ہے کہ کسی چھوٹی سی لڑکی کو عورت کے سانچے میں ڈھالنا اور پھر شناخت کرنا واقعی مشکل ہو جاتا ہے۔ مگر حافظہ ان کے کمسن حلیہ کو محفوظ کئے ہوتا ہے۔ فاطمہ تاج کی اور میری یہ رسمًا باقاعدہ ملاقات تھی۔

پہلی ہی بار وہ محفل خواتین کی گرویدہ ہو گئیں۔ انھیں عورتوں کے اظہار کا یہ بے باک ماحول پسند آیا۔ فاطمہ بے تحاشہ اس کی ممبر بن گئیں۔ پھر کیا تھا۔ ادبی اجلاس میں نئے چہرے ان کے ساتھ آنے لگے۔ ناغہ کرنا تو کجا وہ وقت سے پہلے ہی موجود رہتیں۔ اور ہنس ہنس کر میرا خیر مقدم کرتیں۔ استاد شاگرد کے رشتے کی تقدیس، خلوص، محبت اور دوستی میں تبدیل ہوتی رہی۔ فون پر بھی بات ہونے لگی اور وہ بھی طویل گفتگو۔ فون پر ان کا کلام سنتی۔ کبھی مضمون سناتیں اور کبھی افسانہ۔ محفلِ خواتین کی وہ ایک سرگرم رکن ثابت ہوئیں۔ گرم جوشی سے حصہ لینے لگیں۔ مزاحیہ خاکوں، افسانوں اور مضامین سے اراکینِ محفل کی سامعہ نوازی کرتیں۔ غزل کا تو پوچھئے۔ وہ ان کی تحریر کا لازمی عنصر تھی۔ ان کے قلم سے بے اختیار غزلیں ٹپکا کرتیں۔ دیکھتے دیکھتے افسانہ تیار ہو جاتا ہے۔ وہ زود نویس ہیں۔ اور پھرتی سے اپنے خیالات قلم بند کرتی ہیں۔ ان کا قلم محفلِ خواتین کی خواتین پر بھی اُٹھنے لگا۔ ایک کے بعد ایک ان کی پسندیدہ شخصیتوں کے تعارف روزنامہ سیاست میں شائع ہونے لگے۔ ان کا اپنا مشاہدہ اور کچھ نجی تجربے ان کی شوخ تحریریں نمایاں ہوئے۔ سچ تو یہ ہے کہ محفلِ خواتین کی حوصلہ افزائی ان کی تحریروں کی محرک بنی۔

ان کی صلاحیتوں کو اُبھارا اور فاطمہ تاج کو افسانہ نویس، غزل گو، مزاح نگار اور انشاء پرداز بنا ڈالا۔ پھر تو لکھنے کا جنون طاری ہوگیا۔ اَن گنت غزلیں لکھیں۔ نہایت تیزی سے ان کا ڈھیر لگ گیا اور محترمہ زود گو اور زود نویس کا مجموعۂ کلام بھی منظرِ عام پر آنے کے لئے مچلنے لگا۔

فاطمہ تاج کو شاعرانہ مزاج ودیعت ہوا ہے۔ یہ قدرت کی عطا ہے۔ غزلوں کی طرف فطرتاً مائل ہیں۔ نہایت تیزی سے کہتی ہیں۔ یہ شعر ملاحظہ ہوں۔

کیسے ہے دوست یہاں فرصتِ مسیحائی
جہاں کے زخم تو اپنے جگر میں رہتے ہیں

-۲

دشمنِ جاں آرہے ہیں پھر عیادت کو مری
زخمِ دل تو اور بھی اس سے ہرا ہو جائے گا

تاج کی شاعری میں تغزل کا رنگ غالب ہے۔ ایک خاص شاعرانہ کیفیت ہے جو ہر شعر میں سموئی ہوئی ہے۔ اشعار میں آمد کا رجحان ہے، آورد کا احساس نہیں ہوتا۔ الفاظ کے برتاؤ میں ایک بہاؤ ہے۔ جن میں قافیے، ردیفوں کے ساتھ رکاوٹ نہیں بنتے ہے

زندگی دیدۂ پُرنم کے سوا کچھ بھی نہیں
پاس اب میرے ترے غم کے سوا کچھ بھی نہیں
ٹوٹ جائے گا ذرا اس کی حفاظت کیجئے
دل تو اک جنبشِ پیہم کے سوا کچھ بھی نہیں

یہ تعارف یہ تکلّم یہ تخاطب کی ادا
یہ بھی اک رشتۂ باہم کے سوا کچھ بھی نہیں
فاطمہ تاجؔ تجھے کون یہ سمجھائے گا
زندگی نغمۂ ماتم کے سوا کچھ بھی نہیں

تاجؔ کے کلام میں تازگی جھلکتی ہے۔ شادابی محسوس ہوتی ہے۔ کسی جھیل سے اُبھرنے والی ننھی مُنّی لہروں کی خوبصورتی نظر آتی ہے یا کسی دریچہ کے اچانک کھل جانے سے تازہ ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے رُک رُک کر چلے آئیں اور فرحت بخشیں۔ میرا یہہ تاثر ہے۔ یہ اشعار بھی پیش ہیں۔

تم کیوں دلِ پژمردہ کی پرسش پہ بضد ہو　　کیا دردِ مسلسل کا یہ چہرہ نہیں غمّاز

تنکے تنکے سے مل کے رولینا　　جانے پھر آشیاں ملے نہ ملے

پھر یہ رقص یہ کیسا ہے تری بزم میں اے تاجؔ　　حالانکہ زمانے میں کوئی ساز نہ آواز

ہم تو زمانے بھر کو یہ سمجھا کے رہ گئے　　وہ شخص غم شناس تھا مجرم مگر نہ تھا
دیکھے ہیں ہم نے کتنے ہی جلتے ہوئے مکاں　　نکلے جو ہم قفس سے تو خوفِ شرر نہ تھا
سب سے نظر بچا کے وہ ہم سے ملے مگر　　چہرے پہ زندگی کے وہ نورِ سحر نہ تھا

فاطمہ تاجؔ کی بے شمار غزلیں میری نظر سے گذریں۔ اکثر اشعار نے ایک چھپے ڈھکے دُکھ کے پس منظر کا احساس دلایا۔ ایک ایسی محرومی کی ترجمانی بھی

کی جسے پوشیدہ رکھنے کے باوجود شعور کے کسی گوشے سے بے اختیار جھانکنے لگتی ہے۔ غمگینی میں اس قدر گہرائی نہیں کہ انسان کو قنوطی بنا کر رکھ دے۔ شاعرہ کی طبعی زندہ دلی اور خوش مزاجی اشعار پر حاوی ہے۔ فطری رجائیت انہیں زیادہ دیر مغموم نہیں رہنے دیتی۔ ؎

لبوں پہ حسنِ تبسم کے باوجود اے تاجؔ
ہماری آنکھ بھی پُرنم ہے کیا کیا جائے

-٠-

نشتر زنی کے دَور کو کیسے بھلائیں ہم
گو مندمل ہیں زخم مگر اک نشاں تو ہے

-٠-

میں شرمندہ ہوں اپنی چشمِ نم سے
یہ حالت ہو گئی ضبطِ الم سے

غرض فاطمہ تاجؔ اُبھرتی ہوئی شاعرہ ہیں۔ شعر کہنے کا سلیقہ ہے۔ اشعار آورد کے نہیں آمد کے ترجمان ہیں۔ خیالات کے اظہار میں ٹھیراؤ اور رکاوٹ نہیں۔ کثرتِ مطالعہ ان کے اشعار کو اور بوقلمونی اور تر و تازگی عطا کر دے گا مشاہدہ کی گہرائی اور تجربات کی وسعتیں منتظر ہیں کہ اشعار میں کچھ اور نئے معنی و مطالب سموئیں۔

--

-٠- -٠- -٠-

ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید

نیا چہرہ نئی پہچان

خواہ وہ مغربی مفکرین ہوں کہ مشرقی مفکرین۔ جب سوال عورت کا اٹھتا ہے تو طنز کے تیر ضرور استعمال کئے جاتے ہیں۔ کوئی تو یہ کہتا ہے کہ عورت کا دوسرا نام کمزوری ہے اور کسی کی رائے میں عورت کم عقلی اور تلون مزاجی کا نام ہے، لیکن گردشِ لیل و نہار نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ عورت قدرت کی زبردست شکتی ہے۔ کائنات کی زیب و زینت اور زندگی کے مختلف شعبوں میں سکہ جما دینے کی اہلیت رکھتی ہے۔ عورت اہل سیف بھی ہے اور اہل قلم بھی۔

محفلِ خواتین کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ شہر کی تعلیم یافتہ خواتین کسی نہ کسی حیثیت سے اس سے وابستہ ہیں۔ اس کی شعری و ادبی سرگرمیوں سے تمام ادبی حلقے واقف ہیں۔ گذشتہ (۲۰) برسوں سے سرگرم عمل اس محفل خواتین نے اپنی تہذیبی روایات کی پاسداری کرتے ہوئے ایک اپنا منفرد مقام بنالیا ہے۔

فاطمہ تاج ایک باصلاحیت شاعرہ ہی نہیں ایک بہترین اور سلجھی ہوئی منفرد لب و لہجہ کی نثر نگار بھی ہیں، جن کی شگفتہ تحریریں ادبی رسائل کے علاوہ خاص طور پر روزنامہ سیاست کی زینت بنتی رہتی ہیں۔

مجھے بڑی خوشی محسوس ہوتی ہے۔ جب حیدرآباد کی لکھی پڑھی خواتین شعروسخن کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔ فاطمہ تاج انہیں نئی لکھنے والی شاعرات میں سے ایک ہیں، جن کا مزاج خالص غزل کا مزاج ہے۔ انہوں نے مختلف چھوٹی بڑی بحروں میں غزلیں لکھی ہیں۔ زبان سلیس، سادہ اور دلکش ہے۔ یہ اشعار کس قدر دل نشیں اور معنی آفریں ہیں۔

درد میں ڈوبی سی آہوں میں اثر دیتا گیا کون
دل تو ویراں ہے بہاروں کی خبر دیتا ہے کون

اپنی خودداری کی تاعمر حفاظت کے لئے
تیری ہر بات کو منظور کیا ہے میں نے

ہم تو زمانے بھر کو یہ سمجھا کے رہ گئے
وہ شخص غم شناس تھا مجرم مگر نہ تھا

زباں بندی تو کوئی حل نہیں ہے
ہے رشتہ آج بھی لوح و قلم سے

ابھی تو شہر میں کوئی نہیں ہے گھر اپنا
بنے گا گھر جو کوئی ہم یہاں نہیں ہوں گے

یہ آبلے یہ رستے دکھلائیں تاج کس کو
مجبوریاں ہیں اپنی شوقِ سفر نہیں ہے

اے تاج ادھوری سی ہے پہچان ہماری
سب لوگ ہیں محفل میں مگر ہم تو نہیں ہیں

تمام عمر تلاشِ سحر میں رہتے ہیں
ہم ایسے لوگ ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں

میری دلی تمنا ہے کہ فاطمہ تاج اپنا شعری سفر اسی طرح جاری رکھیں۔

۲۰ر اپریل ۱۹۹۲ء

فاطمہ عالم علی خاں

..... اور پھر بیاں اپنا

۹ر جون ۱۹۹۶ء کو محفلِ خواتین کا ماہانہ اجلاس تھا۔ تقریباً تمام خواتین آچکی تھیں۔ محفل کے آغاز کے لئے میں نے اپنی جگہ سنبھالی ہی تھی کہ ایک نئے چہرے پر میری نظریں چند لمحوں کے لئے جم گئیں۔ اُس وقت ان کی طرف زیادہ توجہ دینا مشکل تھا۔ جلسے کے بعد دیکھا جائے گا، کہہ کر ہم نے جلسہ کی کارروائی کا آغاز کیا۔ جب جلسہ اختتام کو پہنچا تو اُس نئی مہان کی طرف سب ہی خواتین بڑھیں۔ آپس میں ایک دوسرے کا تعارف ہوا۔ چند رسمی باتوں کے بعد انھوں نے اپنے لکھنے پڑھنے کے بارے میں بتایا۔ پہلے ہی دن وہ اِس قدر کُھل کر ملیں کہ یہ بھول جانا پڑا کہ اُن سے پہلی بار مل رہے ہیں۔ باتوں باتوں میں تاج نے کہا کہ میں آپ کی محفل سے بے حد متاثر ہوئی اور مجھے افسوس ہے کہ اتنے عرصے تک اس محفل سے بے خبر رہی۔ میں نے کہا کوئی بات نہیں دیر آید درست آید۔ آپ پابندی سے آتے رہیئے۔ اب یہ ماشاء اللہ خدا نظرِ بد سے بچائے، نہایت پابندی سے جلسوں میں آتی ہیں۔ رفتہ رفتہ اُن کے گُن کُھلے تو معلوم ہوا کہ یہ تو چُھپی رستم نکلیں۔ نظم و نثر دونوں بہت ہی عمدہ لکھتی ہیں۔ چند ہی دنوں میں

انہوں نے اپنے حسنِ اخلاق اور شائستہ مزاجی سے ساری محفل کو اپنا گرویدہ بنالیا اور باقاعدہ محفلِ خواتین کے عشق میں مبتلا ہوگئیں۔ ہر وقت محفلِ خواتین کو بہتر سے بہتر بنانے کیلئے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتی رہتی ہیں۔

فاطمہ تاج طبعاً بے حد حساس اور جذباتی ہیں۔ اُن کے ملنے جلنے میں اِس قدر اپنائیت اور خلوص ہے کہ تکلف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فاطمہ تاج نے مشاہدہ غضب کا پایا ہے۔ کسی شخصیت سے متاثر ہوجائیں تو جب تک اپنے تاثرات قلم کے ذریعہ دوسروں تک نہ پہونچائیں، چین سے نہیں بیٹھتیں۔ بہت کم وقت میں اُنہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعہ اپنا ایک اچھا خاصا مقام بنالیا ہے۔ لیجئے لکھنا تھا ان کی شاعری پر اور لے بیٹھی ان کی نثر نگاری۔ خیر! فاطمہ تاج کو شعر کہنے کا سلیقہ ہے، کبھی کبھی تو بڑی سادگی کے ساتھ بہت ہی گہری بات کہہ جاتی ہیں۔ یہ غزل کی شاعرہ ہیں۔ ہلکے پھلکے انداز میں غزل کے تمام لوازمات ان کے یہاں مل جائیں گے۔ ہمیں دنیا میں سب سے مشکل کام شعر کہنا لگتا ہے اس لئے ہم فاطمہ تاج سے بحیثیت شاعر بہت مرعوب ہیں۔ شاعری پر تبصرہ ہمارے بس کے باہر ہے۔ البتہ ہمیں ان کے جو شعر زیادہ پسند آئے ان میں سے چند پیش ہیں، اور کیوں پسند آئے یہ بھی مختصراً عرض کروں گی۔

محفلِ خواتین۔ میں ہم نے اکثر ان کے شعروں پر داد دے کر اپنی قابلیت کا سکہ جمایا ہے۔ یہ شعر دیکھئے! کہتی ہیں۔

ہماری جرأت پرواز پر وہ حیراں تھے
جنہیں یقیں تھا ابھی بال و پر نہیں آئے

کھاگئے نا دھوکا، بے بال و پر ہیں ہمارے دشمن! ۔ طنز کے یہ تیور ملاحظہ ہوں۔

زمانہ اب ہے کہاں اہلِ فن کا قدر شناس
جو اوجِ عرش پر ہیں وہ تو نظر میں رہتے ہیں

یہ مقطع دیکھئے۔ رنگِ غزل چھلکا پڑتا ہے۔ اعتبار کی انتہا ہے۔

ہر ایک سانس کا رشتہ ہے تیری ذات سے تاجؔ
رہا نہ کچھ بھی مرا، تجھ پہ اعتبار کے بعد

زندگی بڑی منتوں، مرادوں کے بعد ہم تک پہونچی بھی تو کس حال میں ؟ ملاحظہ ہو

سب سے نظر بچا کے وہ ہم سے ملی مگر
چہرے پہ زندگی کے وہ نورِ سحر نہ تھا

رہنما اور رہزن کو آمنے سامنے کر کے فاطمہ تاجؔ نے ظرف کو آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ کہتی ہیں

ایک ہی صف میں کھڑے ہیں رہنما بھی راہزن
دیکھنا یہ ہے کہ اب اذنِ سفر دیتا ہے کون

اہلِ ہنر کی بدنصیبی پر آب دیدہ ہیں کہ دنیا دیدہ وروں سے خالی ہے

کیا کرتے سارے اہلِ ہُنر لوٹ آئے تاجؔ
اُس بزمِ خوش نظر میں کوئی دیدہ ور نہ تھا

اِن اشعار کے بعد اِس دُعا کے ساتھ مضمون ختم کرتی ہوں کہ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

نقشِ فریادی ہے

قدامت پسند گھرانے کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے میرے وجود نے بچپن میں ماں باپ کے گھر میں کسی حد تک ذوقِ ادب کی تسکین محسوس کی مگر شعور کی منزل پر پہنچنے تک وہ سائبان نہیں رہا جسے میکہ کہا جاتا ہے۔
سسرال کا ماحول زیادہ قدیم نہ سہی لیکن اتنا نیا بھی نہ تھا جہاں پر لڑکیوں بالخصوص "بہو" کو "سیف و قلم" سے کھیلنے دیا جاتا۔ مطالعہ کی حد تک کبھی کبھی شوہر کے تعاون کی شبنم، آتشِ شوق کو ٹھنڈا کرتی رہی، پھر بھی اس سے کیا ہوتا ہے؟ اپنے آس پاس کے ماحول اور خود پر بیتتے ہوئے چند موسموں کا ذکر اشعار میں ظاہر کرنے کو اس قدر جی چاہتا کہ میں بے چین ہو جاتی اور کبھی کسی کاغذ پر کوئی شعر یا غزل لکھ کر سکون محسوس کرتی اور پھر اُس کو تلف کر دیتی، پھر یوں ہوا جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے، لڑکیاں جب مائیں بنتی ہیں تو بڑی بڑی ذمہ داریاں بھی اولاد کے ساتھ جنم لیتی ہیں اور پھر یہ سلسلہ طویل بھی ہوتا ہے۔ ذمّہ داریوں کے موسم میں خزاں کا وجود نہیں ہوتا۔ برسوں بھرے پُرے سسرال میں پھول جیسے بچوں کی پرورش کرتی رہی، لیکن ذات کا خلا پھر بھی پُر نہ ہوا۔ شوہر کی محبت میرے وجود کو گمان سے زیادہ ملی، مگر ذات پھر بھی تنہا رہی۔ مسائل ایسے تھے کہ اپنی خواہش کا اظہار کبھی نہ کر سکی کہ، میں کچھ لکھنا

چاہتی ہوں' اور اسی طرح برسوں گذر گئے' بچے بڑے ہو گئے تو پھر میرے شوق نے حالات کی پرواہ کئے بغیر مجھے احساس دلایا کہ علمی سلسلہ برسوں سے بند ہو گیا تو کیا اس گھٹن سے بچنے کے لئے ایک دروازہ کھلا ہے' جو تازہ اور خوشبو دار ہوا کا راستہ دکھاتا ہے۔ میں پھر لکھنے میں مصروف ہو گئی۔ گھر کی تمام ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہوئے میں نے اس دشوار لیکن پُرکشش راستے پر چلنا شروع کیا' کئی جگہ خار دار جھاڑیوں میں میرا دامن اُلجھا اور تار تار بھی ہوا' مگر دامن کے تار مجھے رفو کرنا آتا ہے نا! اِس لئے میں نے پرواہ نہ کی' کئی آبلے میرے پاؤں میں زخم بن گئے۔ اُن سے میری آرزوؤں کا خون بہنے لگا اور آج اسی خون کے نقش و نگار قارئین کے سامنے ہیں۔ چاہے فرشِ مقتل سمجھیں یا صحنِ گلستاں۔

میرے لکھنے کا شوق اُس وقت شدت اختیار کر گیا جب میں "محفلِ خواتین" سے وابستہ ہو گئی۔ ایک بے نور سا ذرّہ ہو کر بھی میں اِن ستاروں کے ہجوم میں آکر چمک اُٹھی۔ "محفلِ خواتین" کی خواتین نے میرا بڑی محبت سے خیر مقدم کیا' بہت ہی حوصلہ افزائی کی جن میں سب سے زیادہ قابلِ ذکر ہیں محترمہ فاطمہ عالم علی خاں صاحبہ' محترمہ سلطانہ شرف الدین صاحبہ' محترمہ نایاب سلطانہ صاحبہ' محترمہ اقبال جہاں قدیر صاحبہ' محترمہ آمنہ حیدر خاں صاحبہ اور شفیعہ قادری' پھر اِس کے بعد ناموں کا سلسلہ اتنا طویل ہے کہ میں خود نہیں جانتی کہ کتنے صفحے اِن ناموں کے لئے درکار ہوں گے۔ ناموں کے یہ شبنمی قطرے بوند' بوند گلستانِ حیات پر ٹپکتے جا رہے ہیں اور کئی پھول کھلتے جا رہے ہیں۔ رنگ اور خوشبو قارئین کی خدمت میں پیش ہے

کانٹے بھی محافظِ چمن ہوتے ہیں، اس لئے وہ بھی ضروری ہیں۔ قارئین یہ بھی قبول فرمائیں۔

کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں حوصلہ افزائی کرنے والی معاون ہستیوں کے نام کس طرح لوں، سمجھ میں نہیں آتا۔ کیونکہ محسن، کرم فرما، مہربان کرم نواز جیسے الفاظ اُن کے خلوص کے آگے بہت چھوٹے لگتے ہیں۔ نام کے ساتھ شکریہ ادا کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ اتنے اپنے پن سے اُن ہستیوں نے مجھ سے تعاون کیا ہے کہ "شکریہ" جیسے رسمی لفظ کو میں اُن لوگوں کی توہین سمجھتی ہوں۔ دُعا ہے کہ اُن ہستیوں کو خدا جزائے خیر اور سلامتی عطا فرمائے۔

۲۵۔ اپریل ۱۹۹۲ء

فاطمہ تاج

-۰- -۰- -۰-



حمد

یارب مرے! عاجز بھی ہوں نادار ہوں میں بھی
شک اِس میں نہیں کوئی گنہ گار ہوں میں بھی

اُمید کا دامن کبھی دل سے نہیں چھوٹا
اک عمر سے یوں بھی دلِ بیمار ہوں میں بھی

حالات بدل جائیں گے جب تیرا کرم ہو
جس حال میں بھی رکھّا ہے سرشار ہوں میں بھی

جھولی مری بھرنا، مجھے مایوس نہ کرنا
یوں نعمتِ عظمیٰ کی سزاوار ہوں میں بھی

دربار میں تو میری پذیرائی بھی کرنا
ہر لمحہ عنایت کی طلبگار ہوں میں بھی

ہے تاج مرے سر پہ، فقیروں کی طرح ہوں
مختار اگر ہوں بھی تو لاچار ہوں میں بھی



نعت شریف

تجلّیِ اول کا مظہر محمدؐ
یہاں پر محمدؐ وہاں پر محمدؐ

قیامت کے دن اپنے ہر اُمتی کو
عطا کیجئے جامِ کوثر محمدؐ

گنہگار بر ہم اور وہ مضطرب ہیں
ہیں رحمت ہی رحمت کے پیکر محمدؐ

نبی کے غلاموں کی پہچان یہ ہے
ہے دل میں خدا اور لب پر محمدؐ

یہی درسِ ایماں یہی آگہی ہے
خدا اک ہمارا پیمبر محمدؐ

یہی التجا فاطمہ تاجؔ کی ہے
کرم کیجئے روزِ محشر محمدؐ

نعت شریف

جو کچھ ہے کرم آپ کا سرکار بہت ہے
آنکھوں کو مری حسرتِ دیدار بہت ہے

خود اپنے لئے شمس و قمر ڈھونڈنے والو!
میرے لئے یہ روضۂ انوار بہت ہے

مجھ کو جو ملا ہے وہ مدینہ کا ہے صدقہ
دل الفتِ سرکار میں سرشار بہت ہے

کیوں خانہ بدوشوں کی طرح پھرتے رہیں ہم
اپنے لئے سرکار کا دربار بہت ہے

ہم کب سے یہاں دیدۂ تر لے کے کھڑے ہیں
دل آپ کی رحمت کا طلبگار بہت ہے

جنت کی تمنا ہے اگر دل میں تری تاجؔ
اس کے لئے اک نسبتِ سرکار بہت ہے



درد میں ڈوبی سی آہوں میں اثر دیتا ہے کون
دل تو ویراں ہے بہاروں کی خبر دیتا ہے کون

ایک ہی صف میں کھڑے ہیں رہنما بھی راہزن
دیکھنا یہ ہے کہ اب اذنِ سفر دیتا ہے کون

جتنے منصف ہیں کھڑے ہیں فیصلہ کرنے کے بعد
دیکھنا ہے حق کی رہ میں اپنا سر دیتا ہے کون

ایک صبحِ نو کی خاطر کتنی شمعیں گُل ہوئیں
دستِ شب میں یوں بھی دامانِ سحر دیتا ہے کون

اب یہاں ہر ایک کو اپنے پروں کی فکر ہے
پر بریدہ طائروں کو اپنے پر دیتا ہے کون

لوگ میرے شہر کے اب پوچھتے ہیں تاج سے
اِن اندھیروں میں اُجالوں کی خبر دیتا ہے کون





جنھیں تھا ناز وہ اہلِ سفر نہیں آئے
ہمارے ساتھ کبھی راہبر نہیں آئے

اُنھیں کے نقشِ قدم سے ہے منزلوں کا پتہ
وہ راہرو جو کبھی لوٹ کر نہیں آئے

ہماری جرأتِ پرواز پر وہ حیراں تھے
جنھیں یقیں تھا ابھی بال و پر نہیں آئے

میں ایک سنگ ہوں آئینہ بن بھی سکتا ہوں
مری تلاش میں دستِ ہنر نہیں آئے

ہو جن کے ہاتھ میں نورِ سحر کا پروانہ
یقین ہے کہ وہ پیغامبر نہیں آئے

جو یہ بتائے کہ یہ زخم مندمل ہونگے
ابھی تو ایسے مسیحا نظر نہیں آئے

نگاہِ جستجوئے تاج کی ہے تابانی
ہماری راہ میں شمس و قمر نہیں آئے





کیوں مرے حق میں کوئی، فیضِ رواں ہوتا نہیں
کیوں مری حالت پہ کوئی مہرباں ہوتا نہیں

حل نہ ہوگا دوستو! اِن بھیگی پلکوں کا سوال
زخمِ دل جب تک کہ رشکِ گلستاں ہوتا نہیں

کیسے ہو رقصِ بہاراں، کب منائیں جشنِ گُل
یہ قفس پھر بھی قفس ہے کیوں مکاں ہوتا نہیں

اک نہ اک دن تو کہیں رُکنا پڑے گا دوستو!
اِسطرح چلنے سے رستہ جاوداں ہوتا نہیں

کس سے پوچھوں کون دے گا میرے اشکوں کا حساب
کیوں وہ میرے حال پر اب مہرباں ہوتا نہیں

تم نے دیکھا ہی کہاں ہے آنکھ بھر کر اُن کو تاجؔ
ایسی کچھ شمعیں بھی ہیں جن میں دھواں ہوتا نہیں





کب کہا میں نے کہ نغمہ ہو مگر ساز نہ ہو
میری آواز سے اونچی کوئی آواز نہ ہو

دیکھ کر تیر چلانا مرے قاتل ورنہ
میرا انجام ترے زخم کا آغاز نہ ہو

نام تم نے تو صلیبوں پہ لکھا ہے میرا
ڈر ہے یہ حسنِ عطا بھی مرا اعزاز نہ ہو

آسمانوں سے پرے جانے کی خواہش نہ کرو
جب تلک تم میں بھی اک طاقتِ پرواز نہ ہو

کوئی حائل نہ رہے پھولوں کی آزادی میں
موسمِ گل کا کبھی ایسا تو انداز نہ ہو

یہ شب و روز ادھورے سے لگیں گے ہم کو
جب تک اے تاج کوئی اپنا بھی ہمراز نہ ہو





ہم دولتِ غم کے تو طلبگار نہیں تھے
رسوا تھے مگر یوں سرِ بازار نہیں تھے

جو لوگ کہ تھے مصلحتِ وقت میں شامل
وہ لوگ بھی تو صاحبِ کردار نہیں تھے

کرتے رہے جو شہر میں زخموں کا مداوا
وہ لوگ مگر میرے تو غم خوار نہیں تھے

داماںِ دریدہ کو جو خود سی نہیں پائے
ہم لوگ یہاں اتنے کبھی نادار نہیں تھے

اُس وقت سے تھی شمع فروزاں پہ نگاہیں
جب صبح کے ہونے ہی کے آثار نہیں تھے

کچھ ایسے تہیِ دست بھی ہیں تاج، نظر میں
جو جشنِ بہاراں کو بھی تیار نہیں تھے





درد کو دل سے بہت دُور کیا ہے میں نے
اِس طرح خود کو بھی محصور کیا ہے میں نے

اپنی خود داری کی تا عمر حفاظت کے لئے
تیری ہر بات کو منظور کیا ہے میں نے

میرے دامن سے ہے ماضی کی رفاقت باقی
جب سے ہر لمحہ کو مجبور کیا ہے میں نے

کچھ نہ کچھ قرض ادا ہوگا مرے اشکوں کا
دل کو ہر حال میں مسرور کیا ہے میں نے

آسماں جائزہ لے اپنے بھی دامن کا کبھی
تیری راتوں کو بھی پُر نور کیا ہے میں نے

اک اِسی آس پہ اُس کا کوئی پیغام ملے
تاجؔ خود اپنے کو مشہور کیا ہے میں نے





آنکھوں نے کبھی ڈوبتا تارا نہیں دیکھا
جلتے ہوئے گلشن کا نظارا نہیں دیکھا

جو پچھلے پہر میری دعاؤں میں تھا شامل
میں نے تو اُفق پر وہ ستارا نہیں دیکھا

وہ شخص تو ساحل کے مناظر میں رہا گم
جو کشتی ڈبو دے وہی دھارا نہیں دیکھا

اک ایسا بھی وقت آیا سمندر کے سفر میں
جو ڈوب گیا اُس نے کنارا نہیں دیکھا

رہتی ہے تمہیں فکر کسی دامنِ تر کی
تم نے تو کبھی ظرف ہمارا نہیں دیکھا

کیا بات ہے کیوں بھیگتی آنکھوں نے مری تاج
جو صبح کا طالب تھا وہ تارا نہیں دیکھا





دل پہ غمِ دوراں کا اثر ہونے لگا ہے
پھر تازہ مرا زخمِ جگر ہونے لگا ہے

دورانِ سفر گذرے ہیں کچھ راہوں سے ایسی
منزل کی طرف دیکھ کے ڈر ہونے لگا ہے

رکتی ہوئی یہ سانسیں، خیالوں کا یہ لشکر
احساس ترا شام و سحر ہونے لگا ہے

ہیں اپنی تو اک عمر سے بھیگی ہوئی پلکیں
اب دامنِ دل اُس کا بھی تر ہونے لگا ہے

کیا درد کی لذت سے مسیحا نہیں واقف
کچھ اور ہرا زخمِ جگر ہونے لگا ہے

اے تاج! اُجالوں کا نگر پاس ہے شاید
پھر تذکرۂ شمس و قمر ہونے لگا ہے





اب آسمان بھی برہم ہے کیا کیا جائے
نگاہِ دوست بھی کم کم ہے کیا کیا جائے

ہنسی ہے لب پہ نہ تو آنکھ میں ہیں اب آنسو
عجیب درد کا موسم ہے کیا کیا جائے

جو آنکھ صبحِ مسرت کے ساتھ کھلتی ہے
اسی کی پلکوں پہ شبنم ہے کیا کیا جائے

نشانِ زخمِ جگر بھی تو بے اثر نکلا
وہی ستم ہے وہی غم ہے کیا کیا جائے

وہی ہے شوق، وہی راستے، وہی منزل
چراغِ راہ بھی مدھم ہے کیا کیا جائے

اُفق کے پار ابھی تک نگاہ جاتی ہے
وہی نگاہ کا عالم ہے کیا کیا جائے

لبوں پہ حُسنِ تبسم کے باوجود اے تاج
ہماری آنکھ بھی پُرنم ہے کیا کیا جائے





وہ پہلی بات کہیں بھی نہیں بہاروں میں
نہ جانے کس نے بھرا زہر لالہ زاروں میں

تمام شب جو مسافر کے ساتھ چلتے ہیں
ہمیں بھی پائیں گے اک دن ہلال ستاروں میں

کوئی ارادہ نہیں ترکِ گلستاں کا مگر
یہ حادثہ بھی تو ممکن ہے اِن بہاروں میں

نگاہِ دوست جو ساحل نواز ہے تو کیا
تمام زندگی گذری ہے تیز دھاروں میں

یہ بات سچ ہے کہ ہر سمت روشنی ہے مگر
کرن کرن کا لہو بھی ہے اِن نظاروں میں

وہی تو آئے ہیں پرسانِ حال بن کے آج
جو لوگ مجھ کو سمجھتے ہیں بے سہاروں میں





اُن کا کرم بھی شاملِ دورِ خزاں رہا
آئی جو فصلِ گُل تو چمن میں دھواں رہا

اتنا تو ہم نے دیکھا تھا رقصِ شرر کے بعد
وہ شاخِ گُل رہی نہ تو وہ آشیاں رہا

دریائے شوق کی تو ہر اک موج تُند تھی
ساحل پہ ہم رہے بھی تو اک امتحاں رہا

اپنے سفر میں کوئی رُکاوٹ نہیں رہی
ہر منزلِ شعور پہ عزمِ جواں رہا

جو بھی سفر میں گردِ رہِ کارواں بنا
منزل کا ہر مقام پہ اُس کو گماں رہا

وہ لمحۂ عزیز جو تھا دل کے آس پاس
کس طرح تاج! کہتے کہ نامہرباں رہا





پہلے کبھی یہ قافلہ یوں دربدر نہ تھا
جو رہنما تھے اُن کو شعورِ سفر نہ تھا

ہم تو زمانے بھر کو یہ سمجھا کے رہ گئے
وہ شخص غم شناس تھا مجرم مگر نہ تھا

کاٹی ہے زیست ہم نے صلیبوں کی چھاؤں میں
ہم اہلِ حق تھے ہم کو کسی کا بھی ڈر نہ تھا

دیکھے ہیں ہم نے کتنے ہی جلتے ہوئے مکاں
نکلے جو ہم قفس سے تو خوفِ شرر نہ تھا

سب سے نظر بچا کے وہ ہم سے ملی مگر
چہرہ پہ زندگی کے وہ نورِ سحر نہ تھا

کیا کرتے سارے اہلِ ہنر لوٹ آئے تاج
اُس بزمِ خوش نظر میں کوئی دیدہ ور نہ تھا





یہ کہانی نہ یہ فسانہ ہے
حالِ دل بس تمہیں سنانا ہے

کچھ پتا اپنے شہر کا دیجے
ہم کو بھی اک مکاں بسانا ہے

اپنے دامن میں رکھ لیے کانٹے
ہم کو گلشن سے دور جانا ہے

کیا بہاروں سے ہم کو نسبت ہو
اپنا زنداں ہی آشیانہ ہے

اپنی قسمت پہ ناز ہے صیاد!
کہ قفس میں بھی آب و دانہ ہے

دل کو کس نام سے پکاروں تاجؔ
لوگ کہتے ہیں یہ دیوانہ ہے





زندگی کیوں وفا نہیں کرتی
کیوں مرا حق ادا نہیں کرتی

آرزو دل کا ایک حصہ ہے
دور مجھ سے رہا نہیں کرتی

سانسیں گھٹتی ہے زندگی میری
زخم، دل کے گنا نہیں کرتی

تم کو یہ بات کون سمجھائے
شمع دن میں جلا نہیں کرتی

زندگی میری ایسا نغمہ ہے
اپنی لَے جو سنا نہیں کرتی

تاج! تنہائیوں میں روتی ہے
شمع، شب بھر ہنسا نہیں کرتی





گل کا ماتم کیا نہیں کرتے
اِس طرح ہم جیا نہیں کرتے

جس کی حالت ہے جیسی رہنے دو
دامنِ گُل سِیا نہیں کرتے

اشکِ غم بھی ہے چیز پینے کی
خونِ دل ہی پیا نہیں کرتے

ضبطِ غم کے سوا کسی کا بھی
ہم تو احساں لِیا نہیں کرتے

ہم سے ہرگز نہ لینا عہدِ وفا
دینے والے لیا نہیں کرتے

اہلِ دل تاجؔ اپنی دنیا میں
سانس روکے جیا نہیں کرتے





ہے کہاں راستہ خدا جانے
کیا ہوئے نقشِ پا خدا جانے

اک نئے دور کا ہوا آغاز
اس کی اب انتہا خدا جانے

ہم تو بس ہاتھ اٹھائے رہتے ہیں
کس کو کب کیا ملا خدا جانے

ضبطِ غم کے تو ہم بھی قائل تھے
کیسے دریا بہا خدا جانے

غمِ دوراں سے مل کے رونا ہے
کب ہو پھر سامنا خدا جانے

چارہ گر کو نہ تا آج زحمت دے
تیرے دل کی دوا خدا جانے





راہوں میں چھوڑ کر ہمیں جب راہبر گئے
تنہا تھے، راہِ شوق سے ہم بھی گزر گئے

چمکے ہمارے نقشِ کفِ پا کچھ اس طرح
جیسے کہ چاند تارے زمیں پر اُتر گئے

سوچو تو ناخداؤں کی سازش سے کیا ہوا
ساحل کو پیچھے چھوڑ کے طوفاں گزر گئے

تنہا تھے تو سارا زمانہ بھی ساتھ تھا
پھر بھی نہ جانے چھوڑ کے کیوں چارہ گر گئے

سب کانٹے زخم بن گئے جتنے تھے پاؤں میں
دامن میں جتنے پھول تھے سارے بکھر گئے

دیکھو ہمیں کہ دار پہ رقصاں ہیں کب سے تاج
کیسے وہ لوگ تھے جو سلاسل سے ڈر گئے





ضبط کی کوشش ناکام خدا خیر کرے
زندگی اب ترا انجام خدا خیر کرے

سوئے بت خانہ یہ اب کس کے قدم اٹھتے ہیں
سر بہ سجدہ ہیں سب اصنام خدا خیر کرے

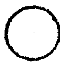
پا بہ زنجیر یہ کس شخص کو لے آئے ہو
مرتعش پھر ہیں در و بام خدا خیر کرے

تہمتیں آنے لگیں آپ کے دامن پر بھی
بے گناہی پہ یہ الزام خدا خیر کرے

یہی آغازِ محبت کا سبب ہے شاہد
صبح آئی نہ یہاں شام خدا خیر کرے

تذکرہ تاج ہوا اہلِ وفا کا جب بھی
کوئی لیتا تھا ترا نام خدا خیر کرے





نالہ ہم روز و شب نہیں کرتے
بات یوں بے سبب نہیں کرتے

عمر جن کی کٹی ہے صحرا میں
فصلِ گُل وہ طلب نہیں کرتے

خود پسندی کے جو حصار میں ہیں
لوگ اُن کا ادب نہیں کرتے

پیتے رہتے ہیں جتنی مل جائے
شور کچھ تشنہ لب نہیں کرتے

کیا ہوا تم ہوئے جو عہد شکن
یوں وفا بھی تو سب نہیں کرتے

بڑھ گئی خواہشوں کی جرأت بھی
عذر کیوں تاجؔ اب نہیں کرتے





بند آنکھیں کئے جس رہ سے گذر جاؤ گے
راہ مشکل سہی زخموں سے سنور جاؤ گے

ایک مدت سے تمہارا یہ سفر جاری ہے
جب نہیں کوئی بھی منزل تو کدھر جاؤ گے

آؤ اب ضبط کے ساحل پہ چلے بھی آؤ
ورنہ تم درد کے دریا میں اُتر جاؤ گے

سوچتے کیا ہو چلے آؤ اُجالوں کی طرف
ورنہ تم ہو کے اندھیروں میں بکھر جاؤ گے

بھیگی پلکوں کو ذرا اور بھی روشن رکھنا
رات تاریک ہے کچھ اور نکھر جاؤ گے

تاج! تاریخ کے ہر باب میں تم زندہ ہو
کون کہتا ہے کہ مٹ جاؤ گے مر جاؤ گے





کر کے دیکھئے ہم پر اعتبار تھوڑا سا
لطف کیا بڑھتا ہے انحصار تھوڑا سا

اب نہ ہوں گے فریادی، اشک بھی نہ ٹپکیں گے
دل پہ اب بھی باقی ہے اختیار تھوڑا سا

وعدۂ وفا کا پاس آپ بھی ذرا رکھیں
خوشبوؤں کا موسم ہے غمگسار تھوڑا سا

اک سکونِ دل تو ہے چشمِ لطف سے لیکن
مر گیا ہے بے چارہ کر لیے قرار تھوڑا سا

گردشوں نے ہم کو بھی اس طرح بکھیرا ہے
آج تک بھی دل میں ہے انتشار تھوڑا سا

آپ ہنس پڑے کھل کر آج ان کی اشکباری پر
آپ کا بھی دامن ہے تار تار تھوڑا سا





کسی خیال کی راہوں سے جب گزر آئے
گلاب بن کے کئی زخم یا ابھر آئے

ہتھیلیوں میں لیے اپنا سر جو پھرتے تھے
وہی تو لوگ ہمیں دار پر نظر آئے

سنا ہے ہوش میں اب آ گئے ہیں دیوانے
امیرِ شہر کی کب جانے کیا خبر آئے

تمہارے ساتھ کوئی موج بھی تو آ نہ سکی
ہمارے ساتھ تو ساحل پہ بھی بھنور آئے

ستارے سارے اسی شب کے ساتھ جائیں گے
سلام کہنا اگر بھول کر سحر آئے

یہاں سے اُٹھ کے چمن میں نہ کوئی جائے گا
یوں مسکراتے ہوئے تاج تم اگر آئے





میں شرمندہ ہوں اپنی چشمِ نم سے
یہ حالت ہو گئی ، ضبطِ الم سے

تمہیں بھی اب سکونِ دل کہاں ہے
ملا کیا فائدہ ترکِ ستم سے

زباں بندی تو کوئی حل نہیں ہے
ہے رشتہ آج بھی لوح و قلم سے

یہ مت پوچھو کہ کس کے نقشِ پا تھے
ملی ہے روشنی نقشِ قدم سے

نگاہِ قہر اب رہنے بھی دیجئے
کبھی تو دیکھئے چشمِ کرم سے

جو دل میں ہے وہ چہرے سے عیاں ہے
ملا کیا آج تم کو ضبطِ غم سے





خوش ہوں کہ پُر اثر مری آہ و فغاں تو ہے
کم کم سہی وہ مجھ پہ ابھی مہرباں تو ہے

ہمراہ میرے ظلمتِ شب ہے تو کیا ہوا
اے یادِ خوشگوار! تری کہکشاں تو ہے

نشتر زنی کے دَور کو کیسے بھُلائیں ہم
گو مُندمل ہیں زخم مگر اک نشاں تو ہے

پیروں تلے زمین کھسکتی رہی مگر
ہے دل کو اطمینان ابھی آسماں تو ہے

نظریں جُھکا کے جینے کے قائل نہیں ہیں ہم
رکھنے کو سربلند ترا آستاں تو ہے

اک ربطِ خاص اب بھی ہے صحنِ چمن سے تاجؔ
گو آشیاں نہیں ہے، غمِ آشیاں تو ہے





زندگی کا جواز رہنے دے
بر حقیقت، مجاز رہنے دے

عمر محرومیوں میں گزری ہے
اب مجھے سرفراز رہنے دے

شیشۂ دل سے تو بھی واقف ہے
شیشہ گر تو یہ راز رہنے دے

کچھ تو جینے کی صورتیں ہوں گی
آرزوئیں دراز رہنے دے

اشک ملتے ہیں کسی کو تحفہ میں
اے تبسم نواز رہنے دے

نغمۂ دل سنا دے محفل میں
تاجؔ، اب شرطِ ساز رہنے دے





اشک پلکوں پہ جب رُکا ہوگا
تیری یادوں کا سلسلہ ہوگا

جس سے گلشن میں روشنی تھی کبھی
وہ نشیمن مرا رہا ہوگا

تم بھی ڈوبو گے، ہم بھی ڈوبیں گے
اور ساحل پہ ناخدا ہوگا

پھول بن کر کھلیں گے ہم بھی کبھی
جب بہاروں کا سامنا ہوگا

جس کو منزل سمجھ رہے ہیں سبھی
وہ بھی تیرا ہی نقشِ پا ہوگا

ذکر نکلا ہے پھر بہاروں کا
دل کا ہر زخم پھر ہرا ہوگا

مدتوں انجمن میں زخموں کی
تاآج تیرا بھی تذکرہ ہوگا





جب بھی ہم زیرِ آسماں ہوں گے
ہر قدم پھر سے امتحاں ہوں گے

جن کی خود اپنی ذات ہے مشکوک
کس طرح میرے راز داں ہوں گے

پہلے جیسے چمن کے دن نہ رہے
اب قفس میں بھی آشیاں ہوں گے

زیست میں جو ادھورے لمحے تھے
ہے یقیں وہ بھی جاوداں ہوں گے

ناخدا آکے ٹھہرے ساحل پر
گر ہو طوفاں تو یہ کہاں ہوں گے

تب تلک تاج مسکرانا ہے
دشت جب تک نہ گلستاں ہوں گے





کب سے انداز یہ نگاہوں کے
طور بدلے ہیں خیر خواہوں کے

جب بھی چاہا ہمیں ہٹا ڈالا
ہم بھی پتھر نہیں ہیں راہوں کے

اب تو سیلِ ستم بھی سہنا ہے
راستے بند ہیں پناہوں کے

پا بہ زنجیر، رقص جاری ہے
ہم تو عادی نہیں ہیں آہوں کے

ہر طرف سلسلہ ہے پھولوں کا
کون اب دیکھے خار، راہوں کے

تم کو اعزاز یہ مبارک ہو
تاج ہم بھی رہے ہیں شاہوں کے





سنا ہے اہلِ ستم مہرباں نہیں ہوں گے
کسی بھی شہر میں اپنے مکاں نہیں ہوں گے

نہ جانے کیوں یہ کہا ہے صبا کے جھونکے نے
کسی بھی شاخ پہ اب آشیاں نہیں ہوں گے

یقین کیجے ابھی پاسِ وضع داری ہے
یہ زخم، دل کے کسی پر عیاں نہیں ہوں گے

وہ چاہے تلخ ہوں، شیریں ہوں جیسے کچھ بھی ہوں
تمہاری یادوں کے لمحے گراں نہیں ہوں گے

ابھی تو شہر میں کوئی نہیں ہے گھر اپنا
بنے گا گھر جو کوئی تو ہم یہاں نہیں ہوں گے

کچھ ایسی راہوں پہ ہم بھی نکل پڑے ہیں تاج
سفر تو ہو گا مگر کارواں نہیں ہوں گے





وہ سدا محوِ یاس رہتے ہیں
ہم بھی اکثر اُداس رہتے ہیں

ہم کو اِس شہر میں نہ کیجیے تلاش
ہم تو دل کے ہی پاس رہتے ہیں

قتل کرنے کے بعد بھی کچھ لوگ
جانے کیوں بدحواس رہتے ہیں

قدر ہوتی ہے اُن کی لاکھوں میں
جو محبت شناس رہتے ہیں

پھول اُن کے ہی دل میں کھلتے ہیں
دل میں لے کر جو آس رہتے ہیں

ہم سے یہ پوچھتے ہیں بتھر تاج
آئینے کیوں اُداس رہتے ہیں





بات اپنی ہو یا زمانے کی
کیا ضرورت کسی فسانے کی

طنز کے تیر دل پہ سہتے ہوئے
ہم کو عادت ہے مسکرانے کی

پھر سے تنکے ہوا میں اڑنے لگے
خیر یارب ہو آشیانے کی

میرِ محفل بھی چاک داماں ہے
آبرو رہ گئی دیوانے کی

چاہتے سب ہیں کس میں ہمت ہے
تیری محفل سے اٹھ کے جانے کی

مہرباں ہو کے تاج دیکھ تو لو
آنکھ بدلے گی پھر زمانے کی





جب کوئی اشکبار ہوتا ہے
دل بہت بے قرار ہوتا ہے

ہُوک اُٹھتی ہے دل میں رہ رہ کر
جب بھی رقصِ بہار ہوتا ہے

کب تلک شمع یوں ہی جلتی رہے
کس سے اب انتظار ہوتا ہے

شامِ غم! ایک تیرے آنے پر
صبح کا انحصار ہوتا ہے

دل کو اب مطمئن نہ سمجھے کوئی
اَب بھی یہ بے قرار ہوتا ہے

تاج ہم جیسے غم شناسوں کا
کون اب غمگسار ہوتا ہے





پھر نظر آئی ہے رنگین زمیں اب کے برس
ہم کو ہوتا ہے بہاروں کا یقیں اب کے برس

اک طرف ہے کوئی قاتل تو مسیحا ہے کہیں
جانے کون آئے رگِ جاں کے قریں اب کے برس

مشقِ پرواز ہوئی اپنی قفس میں ہمدم
ہو گیا رقصِ بہاراں بھی یہیں اب کے برس

یوں تو ہر چیز وہی ہے جو کہ پہلے تھی کبھی
پر تری بزم میں وہ بات نہیں اب کے برس

خود بہ خود کھنچ کے وہ دہلیز تک آئے ہیں مگر
کہیں جھک جائے نہ اُن کی بھی جبیں اب کے برس

ہم کو تم پاؤ گے مقتل کی زمیں پر اے تاج
ہم سے ملنے کو تم آجاؤ وہیں اب کے برس





جانے کس کس کی یہ نوازش تھی
آنسوؤں کی عجیب بارش تھی

لاکھ روکا، نکل پڑے آنسو
ہنس پڑوں آپ کی گذارش تھی

صرف دُنیا کو کیوں کہیں ظالم
آپ کی بھی تو اِس میں سازش تھی

آشیانہ تو جل کے خاک ہوا
فصلِ گُل کی یہی تو خواہش تھی

ہم ہمیشہ ہی بے ٹھکانہ رہے
جانے یہ کیسی آزمائش تھی

آج وہ بن گئے اجل کا شکار
جن کو جینے کی اور خواہش تھی





اب کے بہار آتے ہی یہ حادثہ ہوا
کانٹا لہو کے قطرہ سے شعلہ نما ہوا

کہنے کو یوں تو جشنِ بہاراں کی دھوم تھی
اہلِ چمن نے دیکھا نشیمن جلا ہوا

جب لوگ آئے چادرِ ظلمت کو اوڑھ کر
دیکھا یہ ہم نے دور اُجالا کھڑا ہوا

ہم نے صلیب پر سے ہٹائی نہیں نظر
وہ جا رہا تھا دور ہمیں دیکھتا ہوا

شمعوں سے دور ہو گئے پروانے سب کے سب
محفل میں ہم جو آئے تو یہ واقعہ ہوا

عہدِ وفا کو توڑ کے وہ جا چکے ہیں تا آج
ترکِ وفا سے اور بھی نامِ وفا ہوا





ہر پھول کی آنکھوں میں شرارا تو نہیں تھا
گلشن میں کبھی ایسا نظارا تو نہیں تھا

کانوں میں ہے محفوظ اک آواز ابھی تک
جاتے ہوئے پھر تم نے پکارا تو نہیں تھا

کیا سوچ کے پھر تم نے بڑھایا تہی دامن
آنسو مری پلکوں کا ستارا تو نہیں تھا

کچھ سوچ کے ہی ہم نے کیا ترکِ تمنا
دنیا میں مگر کوئی ہمارا تو نہیں تھا

کیوں موسمِ گل ناز اب اس طرح کرے ہے
گلشن کو بہاروں نے سنوارا تو نہیں تھا

کیا بات تھی تاتج ایسی کہ ڈوبی نہیں کشتی
کشتی کا مری کوئی سہارا تو نہیں تھا





اِس قدر ہم تو خوش نصیب نہ تھے
چاند تارے کبھی قریب نہ تھے

اُن کے اشکوں سے بھر گیا دامن
ہوا، احساس ہم غریب نہ تھے

ہم بگولوں کی زد میں آئے مگر
راستے پہلے بھی عجیب نہ تھے

آشیاں جل کے کیسے خاک ہوا
آپ گلشن کے جب قریب نہ تھے

ہم تو سمجھے کہ آتشِ گُل ہے
شعلے بھڑکے مگر مہیب نہ تھے

مر گئے جو وفا کی راہ میں تاج
وہ اُٹھائے ہوئے صلیب نہ تھے





دانستہ جی رہے ہیں خطا کر رہے ہیں ہم
یوں قرضِ زندگی کا ادا کر رہے ہیں ہم

حالانکہ لے رہے ہیں وہ برسوں کا انتقام
پھر کہہ رہے ہیں ہم سے جفا کر رہے ہیں ہم

دیر و حرم نہیں ہے کوئی آستاں نہیں
پھر کس جگہ پہ آ کے دُعا کر رہے ہیں ہم

ہم قہقہہ زن اپنی ہی محرومیوں پہ ہیں
اِس طرح آرزو کو فنا کر رہے ہیں ہم

حالانکہ ایک عمر سے ہم فرشِ راہ ہیں
اب تک سمجھ نہ پائے کہ کیا کر رہے ہیں ہم

جب سے ہو گئے ہیں تا آج غموں کی پناہ میں
ضبطِ الم کچھ اور سوا کر رہے ہیں ہم





منزل کی طرف اہلِ سفر دیکھ رہے تھے
ہم تھے کہ تری راہ گذر دیکھ رہے تھے

کچھ لوگ تو تھے پاؤں کے زخموں سے پریشاں
کچھ لوگ بہاروں کا اثر دیکھ رہے تھے

جو لوگ تھے محوِ خوش راہوں میں کانٹوں کو بچھا کر
وہ بھی میرا اندازِ سفر دیکھ رہے تھے

صرف آپ ہی تنہا تو نہ تھے محوِ نظارہ
ہم بھی تو یہاں شام و سحر دیکھ رہے تھے

تھے خود ہی وہ آنکھوں میں لئے اشکِ ندامت
جو لوگ مرا زخمِ جگر دیکھ رہے تھے

کس طرح سے ان سے تا آج ہو منزل کا تعیّن
ہم ایک طرف تھے وہ اُدھر دیکھ رہے تھے





حالانکہ دلِ زندہ میں اک آگ لگی ہے
سب لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ فصل ہری ہے

کیوں ظلمتِ شب کو بھی شکایت ہے مجھ ہی سے
حالانکہ مری زندگی کرنوں میں پلی ہے

موسم ہو کوئی اپنا سفر رک نہیں سکتا
دشواریِ منزل تو ہر اک گام کھڑی ہے

تھے زلفِ پریشاں سے بہت لوگ پریشاں
ہے طرفہ تماشہ وہی شانوں پہ پڑی ہے

حائل نہ رہا کوئی اجالوں کے سفر میں
کب بادِ مخالف سے کوئی شمع بجھی ہے

جو آئینہ خانوں میں کرن ہے ابھی محفوظ
اے تاج ! وہی تو تری تصویر بنی ہے





ہم قفس سے نکل کے آئے ہیں
دُور تک اَب گلوں کے سائے ہیں

آگ دریا میں بھی لگی ہے کبھی!
ہم نے ایسے بھی گیت گائے ہیں

جستجو ہم نے کی جو منزل کی
فاصلے خود سمٹ کے آئے ہیں

اَب قفس کا بھی دم غنیمت ہے
ہم نشیمن میں جل کے آئے ہیں

ہم کو دیکھو، ہیں کس قدر شاداں
گرچہ صدمے کئی اُٹھائے ہیں

آگئی خود بہ خود چمن میں بہار
تاجؔ ہم جب بھی مسکرائے ہیں





واقعہ کتنا دل خراش ہوا
تجربہ تجربوں میں بت تراش ہوا

زخم، مدت سے دل میں پلتے ہیں
آہ نکلی تو راز فاش ہوا

آپ کے جب قدم اُبھر آئے
خانۂ دل میں ارتعاش ہوا

آپ زخمی جبیں کو روتے ہیں
آئینہ بھی تو پاش پاش ہوا

سنگ ریزوں پہ ہی قناعت ہے
ہم سے ہیرا کہاں تلاش ہوا

لوگ کانٹوں پہ چل کے آئے تاج
اہلِ گلشن کا راز فاش ہوا





صبا آئے نہ آئے گُل کِھلانا یوں بھی آتا ہے
ہمیں دامن کو کانٹوں سے بچانا یوں بھی آتا ہے

کسی کی یاد میں گذری ہے ساری زندگی اپنی
کہ پلکوں پر ستاروں کو سجانا یوں بھی آتا ہے

جو اہلِ غم ہیں اُن کو گردشِ دوراں سے کیا مطلب
اندھیرے راستوں میں دل جلانا یوں بھی آتا ہے

کچھ ایسی بات ہے محفل میں ہم خاموش بیٹھے ہیں
تمہاری انجمن سے دُور جانا یوں بھی آتا ہے

کسی کے نام سے تو ہم بھی پہچانے نہیں جاتے
تعارف اپنا دنیا سے کرانا یوں بھی آتا ہے

اُجالوں میں پلے ہیں تاج یہ دنیا سے کہہ دینا
ہمیں ہر رنگ میں شمعیں جلانا یوں بھی آتا ہے





جانے کیا کیا تھا یہاں شوقِ نظر سے پہلے
جلوے کچھ اور بھی تھے شمس و قمر سے پہلے

دوستو! دہر میں اک نورِ مجسم کے سوا
اور تو کچھ بھی نہ تھا شام و سحر سے پہلے

زندگی ویسے بھی بے معنی سی لگتی تھی ہمیں
کوئی قیمت ہی نہ تھی دردِ جگر سے پہلے

کب تلک ہم شبِ فرقت کا سہارا لیتے
فیصلہ کرنا تھا ہم کو بھی سحر سے پہلے

ہاتھ اُٹھانا ہی تو کافی نہیں ہوتا ہر وقت
سر جھکا لیجیے دعاؤں کے اثر سے پہلے

کس طرح جائیں گے ہم جانبِ منزل اے تاجؔ
اس قدر آبلے پاؤں میں سفر سے پہلے؟





لوگ جب طالبِ سحر ہوں گے
ہم وہاں پر نظر نظر ہوں گے

کون آئے گا آشیاں کے قریب
جب بھی تنکے اِدھر اُدھر ہوں گے

چاندنی آگ بن کے برسے گی
پھول جب شُعلہ و شرر ہوں گے

جو اندھیروں میں میرے ساتھ رہے
وہ ستارے بھی ہمسفر ہوں گے

ظلم سہنے کی یوں بھی ہے عادت
مسکرائیں گے، غم اگر ہوں گے

چارہ گر تاج خواہ کوئی ہو
زخم پھر بھی جگر جگر ہوں گے





کس طرح ہم جیئیں گُل و گلزار کی طرح
ملتا ہے ہم سے ہر کوئی اک خار کی طرح

تیغِ جفا سے آپ ہی زخمی نہیں ہوئے
ٹوٹے ہوئے ہیں ہم بھی تو تلوار کی طرح

تم جانتے ہو گردشِ دوراں کی زد میں ہیں
ٹھہرے ہوئے ہیں ہم کسی دیوار کی طرح

پھولوں سے دوستی کا ارادہ تو ہے مگر
کانٹے بھی ساتھ ہیں غم خوار کی طرح

رکھا ہی کیا ہے اب در و دیوار کے سوا
گھر ہم کو لگ رہا ہے کسی دار کی طرح

کیا جانے تاج کیوں ہے پشیماں یہ زندگی
جی تو رہے ہیں ہم بھی خطاکار کی طرح





اگر زندگی اپنی تصویر ہوتی
مرے غم کی ایسی نہ تشہیر ہوتی

نہیں ہوتی پامال میری تمنّا
اگر میرے ہاتھوں میں تقدیر ہوتی

گلستاں کے منظر ادھورے نہ ہوتے
مرے زخمِ دل کی جو تصویر ہوتی

یہ ممکن تھا رقصِ جنوں رُک بھی جاتا
زمیں تا فلک کوئی زنجیر ہوتی

کبھی زندگی میں نہ ہوتا اندھیرا
اگر چاند تاروں کی تسخیر ہوتی

کئی بستیاں تاج ویران ہوتیں
اگر شہرِ دل کی نہ تعمیر ہوتی





صورتِ حال پھر کشیدہ ہے
زندگی اب بھی آب دیدہ ہے

دستِ گل چیں کا کیا قصور اِس میں
شاخِ گل خود ہی جب خمیدہ ہے

چشمِ پُرنم کو جب سے دیکھا ہے
سارا ماحول آب دیدہ ہے

اشکِ غم ہیں یہ رُک نہیں سکتے
دامنِ دل ابھی دریدہ ہے

اُس سے کھُل کر میں کیسے بات کروں
ایک مدت سے وہ کشیدہ ہے

تاجؔ کس طرح اُس کو سمجھاؤں
ہنسنے والا بھی غم رسیدہ ہے





یہی فصلِ گُل سے کہنا مرا کچھ یہاں نہیں ہے
مرا گلستاں نہیں ہے مرا آشیاں نہیں ہے

یہ دھواں دھواں سا منظر، یہ لہو لہو سا دریا
میں نے خواب جس کا دیکھا، یہ تو وہ جہاں نہیں ہے

وہ زمیں ہے میرے دل کی ذرا پاس جا کے دیکھو
وہاں آسماں نہیں ہے، وہاں کہکشاں نہیں ہے

ہے ہمیں تلاشِ منزل، ہے سفر ہمارا جاری
ہم اکیلے راہ رو ہیں کوئی کارواں نہیں ہے

وہ جو حالِ دل نہ کہہ دے، وہ جو رازِ دل نہ سمجھے
وہ نظر نظر نہیں ہے، وہ زباں، زباں نہیں ہے

میں دکھاؤں تجھ کو کیسے جو ہیں تا آج زخم، دل کے
کوئی رازداں نہیں ہے کوئی مہرباں نہیں ہے





صبح کی گود میں ڈوبے ہوئے خوابوں کی طرح
زندگی ہم کو نظر آئی سرابوں کی طرح

کس طرح سیلِ حوادث سے بچائیں خود کو
ساتھ رہتے ہیں مصائب بھی عذابوں کی طرح

دل میں چبھتے ہیں کسی یاد کے کانٹے اب بھی
زخم کھِلتے ہیں بہاروں میں گلابوں کی طرح

طاقِ نسیاں میں ہمیں آج سجا کر رکھو
ہم بھی اب ہو گئے بوسیدہ کتابوں کی طرح

تہہِ دریا میں جو رہتے تو گہر ہو جاتے
ہم اُبھر آئے ہیں پانی پہ حبابوں کی طرح

یہ جہاں دیر تلک یاد رکھے گا اے تاج
اُن کو جو شہر میں ہیں خانہ خرابوں کی طرح





حالات نے جن کو بھی کیا ہے نظر انداز
ہر سمت سے آتی ہے اُنہیں لوگوں کی آواز

الزام جفاؤں کا تو خود ہم نے لیا ہے
شرمندہ ہوئی جاتی ہے پھر کیوں نگہِ ناز

تم کیوں دلِ پژمُردہ کی پُرسش پہ بہ ضد ہو
کیا دردِ مسلسل کا یہہ چہرہ نہیں غماز

جب تیرِ ملامت کے کئی سمت سے برسے
ہم نے بھی بدل ڈالا ہے اب جینے کا انداز

یہ سچ ہے کہ ہر سمت بہت شور ہے لیکن
کانوں میں مرے آتی ہے بس ایک ہی آواز

پھر رقص یہ کیسا ہے تری بزم میں اے تاج
حالانکہ زمانے میں کوئی ساز نہ آواز





سایہ سہی کسی کا مگر ہمسفر تو ہے
ہے نقشِ پا کسی کا، مری رہ گذر تو ہے

اُس کو ہے اطمینان کہ زخمی نہیں ہوں میں
مجھ کو یہ ہے گمان مرا چارہ گر تو ہے

محفل میں اپنی جشنِ چراغاں تو کر کے دیکھ
تیری نہیں ہے شام، یہ میری سحر تو ہے

سنگِ ستم سے دل مرا زخمی ہوا تو کیا
خوش ہوں کہ میرے پاس بھی دستِ ہنر تو ہے

یوں تو فلک نے لاکھ گرائی ہیں بجلیاں
مجھ کو خوشی ہے مجھ پہ تری اک نظر تو ہے

آئینہ بن گئے ہیں سبھی سنگِ میل آج
روشن سی تاج اب بھی تری رہ گذر تو ہے





چشمِ نم کو کہکشاں کہتے ہیں ہم
آپ ہی کو مہرباں کہتے ہیں ہم

آتشِ گُل کو چمن میں دیکھ کر
منظرِ برقِ تپاں کہتے ہیں ہم

جس زمیں پر اشک، انجم بن گئے
اُس زمیں کو آسماں کہتے ہیں ہم

کام جس کا صرف ہے تیشہ زنی
اُس کو ہی اب مہرباں کہتے ہیں ہم

انتظارِ موسمِ گُل کس کو ہے
زخم ہی کو گلستاں کہتے ہیں ہم

ساتھ اپنے ہے غبارِ راہ بھی
اب اسی کو کارواں کہتے ہیں ہم

تاج ہے برقِ تپاں سے روشنی
برق کو ہی آشیاں کہتے ہیں ہم





نہ اندازِ بیاں میرا نہ تو طرزِ فغاں میری
چمن میں لوگ کہتے پھر رہے ہیں داستاں میری

چمک اُٹھے گی اک دن تو تمنّا مہر و مہ بن کر
جھکے گا ایک دن تعظیم کرنے آسماں میری

جہاں سے ناموافق بجلیاں لہرا کے اُٹھی تھیں
اُسی جانب اُڑی جاتی ہے خاکِ آشیاں میری

بالآخر موج خود لے آئی ہے اب اُن کو ساحل پر
ڈبو کر ناخدا خوش ہو رہا تھا کشتیاں میری

کہیں اب اور لے چل مجھ کو اے صیاد گلشن سے
حفاظت کر نہیں سکتا یہاں پر باغباں میری

کبھی اے تاج! مجھ سے بھی مہ و انجم یہ کہتے ہیں
فلک ہے محوِ حیرت دیکھ کر تابانیاں میری





موت سے نظریں ملانا چاہیئے
ہم کو جینے کا بہانا چاہیئے

جانے کب آئے گی پھر فصلِ بہار
کوئی رُت ہو مسکرانا چاہیئے

دشمنوں سے ربط رکھنا ہو اگر
دوستوں کو آزمانا چاہیئے

کر رہے ہیں وہ جفا کا اعتراف
اِس ادا پر سر جُھکانا چاہیئے

رہنما اب ہوگیا ہے ہم سفر
منزلوں کو بھول جانا چاہیئے

اک نہ اک دن وہ بھی مانیں گے ہمیں
تاج تھوڑا سا زمانہ چاہیئے





دامن کو تار، چاکِ گریباں نہ کر سکے
ہم تو کبھی بھی جشنِ بہاراں نہ کر سکے

بکھری ہوئی ہیں گرچہ اُمیدوں کی دھجیاں
ہم پھر بھی آرزوؤں کو ویراں نہ کر سکے

الفاظ، فکر و فن کے اُجاگر ہوئے مگر
معنوں میں اپنے آپ کو پنہاں نہ کر سکے

تہذیب تو ہمیشہ ہمارے ہی پاس تھی
اک مُشتِ آب و گِل ہی کو انساں نہ کر سکے

کچھ اور ہو گیا مرے زخمِ جگر کا حال
یہ کیسے چارہ گر تھے جو درماں نہ کر سکے

ہم نے تو احتیاط سے ہر سانس لی مگر
اے تاجؔ پھر بھی زیست کو شاداں نہ کر سکے





رنگ پر آئی ہے شمعوں کی ضیا، آخرِ شب
تم نے دیکھا ہی نہیں رنگِ صبا آخرِ شب

ظلمتِ شب سے سحر مانگنے والوں سے کہو
نور برساتے رہیں دستِ دعا آخرِ شب

کیسی محفل ہے اُجالوں کی فلک پر دیکھو
اب ہوئے جاتے ہیں تارے بھی جدا آخرِ شب

دیدۂ نم سے دُھلے جاتے ہیں عصیاں سارے
لُطف دیتی ہے بہت یادِ خدا آخرِ شب

ہم یہ سمجھا کیے ہم آئے ہیں منزل کے قریب
فاصلہ اور بڑھا اور بڑھا آخرِ شب

سہم کر چل دیئے سب، رات کے سائے اے تاج
مسکراتی ہوئی آئی ہے صبا آخرِ شب





کرشمہ یہ بھی ہوا موسمِ بہار کے بعد
کہ زخم تازہ ہوئے یادِ خوشگوار کے بعد

نگاہ میری بہت دیر فرشِ راہ رہی
ہوا ہے یوں بھی کبھی تیرے انتظار کے بعد

اُنہیں تو علم نہیں جو رفو میں ہیں مصروف
سلیں گے سارے گریباں مگر بہار کے بعد

نظارہ، اہلِ چمن، آشیاں کا دیکھیں گے
ہماری خاک کی باری ہے اِس شرار کے بعد

زمانہ اِس لئے حیرت سے دیکھتا ہے تجھے
کہ اضطراب ملا ہے تجھے قرار کے بعد

ہر ایک سانس کا رشتہ ہے تیری ذات سے تاجؔ
رہا نہ کچھ بھی مزا تجھ پہ اعتبار کے بعد





وقت گو کم ہے مگر کام یہ کر جانا ہے
تجھ کو اے دوست! ترے دل میں اُتر جانا ہے

کب تعلق نہ رہا میرا تمنّاؤں سے
دل کو پھر درد کی راہوں سے گزر جانا ہے

تجھ کو منصف نہ گواہوں سے ہے مطلب کوئی
فیصلہ کرنے تو قاتل ہی کے گھر جانا ہے

منزلیں لے کے وہ خود آتو گئے ہیں لیکن
سوچنا یہ ہے کہاں اور کدھر جانا ہے

لوگ مل جائیں گے ہاتھوں میں لئے اپنے چراغ
ایسی منزل پہ کسی دن تو ٹھہر جانا ہے

جب مسیحا کے سنبھلنے کی توقع نہ رہی
دل کے زخموں ہی سہارے تاجؔ سنور جانا ہے





میرا جواب مجھ کو مرے بال و پر سے دے
میری مثال دینا ہو برق و شرر سے دے

وہ سنگ ہو کہ شیشہ ہو دل ہو کہ پھول ہو
جو کچھ بھی مجھ کو دینا ہے دستِ ہنر سے دے

ساحل پہ کیسے آؤں سفینے کو چھوڑ کر
اے ناخدا اشارہ تو اپنی نظر سے دے

بھٹکوں میں اس زمین کے آنگن میں کب تلک
کچھ تو اُجالا مجھکو تُو اپنی سحر سے دے

دستِ عطا پہ اوروں کے کب تک رہے نظر
دینا اگر ہے تجھکو تو خود اپنے گھر سے دے

یہ جان لے کہ تنگ نظر تو نہیں ہے تاجؔ!
تسکیں ہو وہ کہ درد ہو جان و جگر سے دے





چشمِ کرم تھی آپ کی مشہور ہو گئے
ہم اس قدر جلے ہیں کہ بس طور ہو گئے

اشکوں سے مٹ نہ پائیں گے یہ داغِ آرزو
تھے جتنے زخم، دل میں وہ ناسور ہو گئے

تھا آشیاں کسی کا مگر قید ہم ہوئے
کس کی نظر تھی ہم پہ کہ محصور ہو گئے

سایوں کے پیچھے پیچھے ہی جانا پڑا، ہمیں
جتنے تھے ہمسفر وہ سبھی دُور ہو گئے

دینے لگے ہیں اذنِ سفر آپ اس طرح
گویا کہ ہم بھی چلنے سے معذور ہو گئے

کس طرح جاری رکھیں سفر تاج سوچئے
شیشے جو ذہن و فکر کے تھے چُور ہو گئے





اچھا ہے یا بُرا ہے کوئی سلسلہ تو ہے
موت اور زندگی میں ابھی فاصلہ تو ہے

منزل ہے میرے سامنے، تنہا ہوں راہ میں
گرچہ شکستہ پا ہوں مگر حوصلہ تو ہے

اِس زندگی کو اِتنا نہ آسان جانیئے
دار و رسن سے پہلے بھی اک مرحلہ تو ہے

شب بھر ہے میرے ساتھ ستاروں کی انجمن
میری اندھیری راتوں میں یہ قافلہ تو ہے

ناکام حسرتوں کی کریں کیا شکایتیں
اپنا نہیں ہے پھر بھی وہ اک سلسلہ تو ہے

سب کچھ بھلا دیا ہے کسی نے تو کیا ہوا
اے تاج! تیری یاد کا اک سلسلہ تو ہے





خزاں تو آج بھی ذکرِ بہار کرتی ہے
رُلا رُلا کے ہمیں بے قرار کرتی ہے

تری زباں نے دلاسہ تو دیدیا لیکن
تری نگاہ ہمیں سوگوار کرتی ہے

بس ایک بار شبِ غم نے ہم کو دیکھا تھا
ستارے ہم پہ وہ اکثر نثار کرتی ہے

تمہیں یقین نہ آئے گا بات پر میری
کہ زندگی بھی مرا اعتبار کرتی ہے

مزاج گردشِ دوراں کا پوچھئے ہم سے
ہنسا ہنسا کے بھی وہ اشکبار کرتی ہے

کہاں کہاں لئے پھرتی ہے زندگی اے تاج
کہاں کہاں یہ ترا انتظار کرتی ہے





یہ تارِ گریباں جو ہم سی رہے ہیں
جنوں زندگی کا ہے بس جی رہے ہیں

مسرت نوازوں کا نقصاں کیا ہے
بس اک اشکِ غم ہی تو ہم پی رہے ہیں

ہمارے تو ہاتھوں میں خالی ہیں ساغر
یہ دنیا سمجھتی ہے ہم پی رہے ہیں

ملی زندگانی تمہیں بھی ہمیں بھی
نہ تم جی رہے ہو نہ ہم جی رہے ہیں

بہ ظاہر یہ رشتوں کی غم خواریاں ہیں
ہمارے تو قاتل یہ سب ہی رہے ہیں

معمہ یہ حل تا آج کس طرح ہوگا
سمجھ میں نہیں آتا کیوں جی رہے ہیں





چشمِ نم مہرباں نہ ہو جائے
پھر مرا امتحاں نہ ہو جائے

لے چلو کشتیوں کو ساحل تک
موج پھر بے زباں نہ ہو جائے

بجلیوں سے تو ہم نمٹ لیں گے
باغباں بدگماں نہ ہو جائے

میری باتوں کو غور سے سنیے
آخری یہ بیاں نہ ہو جائے

آشیاں کو سنبھال کر رکھنا
برق پھر مہرباں نہ ہو جائے

یہ امانت سنبھال کر رکھنا
تاجؔ! گم یہ نشاں نہ ہو جائے





آپ نہیں ہیں میرے ہمدم
دیکھ رہا ہے سارا عالم

موسمِ گُل کے سب شیدائی
دیکھ رہی ہے دُور سے شبنم

کچھ تو ذکرِ بادِ صبا ہو
پوچھ رہی ہے چشمِ پُرنم

شدتِ غم سے آہ جو نکلی
آپ نہ جانے کیوں ہیں برہم

صبح بہت نزدیک ہے شاید
لَو شمعوں کی ہو گئی مدھم

تاجؔ یہ کیسی بزم ہے اُن کی
ذکر ہے میرا لیکن کم کم





اَب اُٹھنے والا ہے دستِ کرم ذرا ٹھہرو
چھلک رہی ہے کوئی چشمِ نم ذرا ٹھہرو

ہمیں تو کوئی نہیں خوف، گمرہی کا مگر
مٹے مٹے سے ہیں نقشِ قدم ذرا ٹھہرو

سفینہ دل کا اگرچہ قریبِ ساحل ہے
پلٹ کے آئی ہے پھر موجِ غم ذرا ٹھہرو

جو تم ہو پاس تو دل کو سکون ملتا ہے
بہت اُداس ہیں، تنہا ہیں ہم ذرا ٹھہرو

عداوتیں ہیں تو رہنے دو اپنے پاس مگر
ہمارا ٹوٹ نہ جائے بھرم ذرا ٹھہرو

سحر کے ہونے میں اے تاج! اب نہیں تاخیر
اندھیرے ہو گئے ہیں کم سے کم ذرا ٹھہرو





نگاہِ دیدہ وراں جب بھی آس پاس رہی
کسی کی چشمِ مروّت بہت اُداس رہی

اگرچہ اشک بہت چشمِ تر سے بہتے رہے
مگر لبوں پہ ہمارے ہمیشہ پیاس رہی

سفر میں گرچہ کئی موڑ آ گئے لیکن
کسی کی چشمِ فروزاں بہت اُداس رہی

یہی ہمیشہ ہوا ہے کہ اک شعاعِ اُمید
کسی سے دُور رہی تو کسی کے پاس رہی

کہیں سے ایک بھی اُمید کی کرن نہ ملی
سحر تلک بھی اُجالوں کی ہم کو آس رہی

مسرتوں میں بھی اے تاج! دن کٹے لیکن
ہمیشہ اپنی طبیعت تو غم شناس رہی





سُراغِ فصلِ بہاراں ہمیں ملا بھی نہ تھا
چمن میں دُور تلک ایسا سلسلہ بھی نہ تھا

ہر ایک رُت میں بنائی ہو جس نے خود پہچان
چمن میں پہلے کبھی ایسا گُل کھِلا بھی نہ تھا

نہ جانے کس لئے دامن بھگو لیا تم نے
ہمارے ضبطِ مسلسل کا یہ صلہ بھی نہ تھا

یہ ہم بھی جانتے ہیں کیا ہے دردِ دل کا سبب
ہم اُن سے کہتے مگر اِتنا حوصلہ بھی نہ تھا

نہ جانے کس لئے وہ لوگ مجھ سے نالاں ہیں
کہ جن کی ذات سے مجھ کو کبھی گلہ بھی نہ تھا

تمام رات یہاں کس کی روشنی تھی تا آج
قریب و دُور ستاروں کا قافلہ بھی نہ تھا





نیند آتی نہیں اب خواب کہاں سے لاؤں
ہے سیہ رات، میں شب تاب کہاں سے لاؤں

وقت کے ساتھ گئیں ماضی کی ساری باتیں
پھر سے اب جینے کے اسباب کہاں سے لاؤں

منتشر سی ہے پریشان ہے، دنیا ساری
وہ سکوں اے دلِ بے تاب کہاں سے لاؤں

یوں تو خورشید کی کرنوں میں گذرتی ہے حیات
پھر بھی اب وہ دلِ شاداب کہاں سے لاؤں

روشنی آتی ہے چھن چھن کے جہاں سے ہر دم
شہرِ ظلمت میں وہ محراب کہاں سے لاؤں

کہکشاں بن کے اندھیروں میں جو چمکا تھا کبھی
تاجؔ! میں وہ دُرِ نایاب کہاں سے لاؤں





موجِ طوفاں پھر سمندر سے ہٹالی جائے گی
اہلِ ساحل دیکھنا کشتی بچالی جائے گی

عمر بھر قائم رہے گا عظمتِ غم کا بھرم
ضبطِ غم کی بات تو ہرگز نہ ٹالی جائے گی

آپ بھی گر چھوڑ کر جائیں گے بزمِ کہکشاں
نور کی دولت یہاں کس سے سنبھالی جائیگی

آسماں کو دیکھ کر تاروں سے رشتہ جوڑ کر
حسرتِ پرواز کیا یوں ہی نکالی جائے گی

روٹھ کر پروانے پھر سے لوٹ آنے کے نہیں
شمع بجھ جائے تو کیا پھر سے جلالی جائے گی

چشمِ نم لے کر نہ ہم جائیں گے اب اُن کے حضور
تاج! آہِ پُراثر پھر بھی نہ خالی جائے گی





بے نور سی ہے بزم، عجب خامشی ہے آج
موجود سب ہیں ایک کمی آپ کی ہے آج

اب ہوگی دیکھیں کس کی طرف دار زندگی
ہم نے سنا ہے دار پہ پھر زندگی ہے آج

تشنہ لبی کے نام پہ چھینا گیا ہے جام
کس سے کہوں کہ روح تلک تشنگی ہے آج

اک آپ کے نہ ہونے سے سب کچھ بدل گیا
کیا زندگانی پہلے تھی، کیا زندگی ہے آج

شاید کہ ہونے والی ہے انہونی کوئی بات
دل کے ہر ایک گوشے میں افسردگی ہے آج

دانشورانِ شعر و ادب خود بتائیں گے
بزمِ سخن میں تاجؔ کی بھی روشنی ہے آج





یوں اجنبی نگاہ سے دیکھا گیا مجھے
محفل میں جو بھی تھا وہ پرایا لگا مجھے

جس موڑ پر ہوا ہے اندھیروں کا سامنا
اُس موڑ پر ملا ہے ترا نقشِ پا مجھے

جو آشنائے غم ہیں، شناسائے درد ہیں
ملنے سے اُن کے ملتا ہے اپنا پتہ مجھے

ہر دل کے ساتھ آج دھڑکتا ہے دل مرا
انساں بنا چکا ہے کرم آپ کا مجھے

گذرا جو دل کی راہ سے جھونکا نسیم کا
آواز پا کا آپ کی دھوکا ہوا مجھے

یہ بھی کرم ہے تاجؔ کسی کی نگاہ کا
جینے کا مل رہا ہے یہاں حوصلہ مجھے





کب کہاں کوئی کس کے بس میں رہا
اک اُجالا سدا قفس میں رہا

آج بھی گلستاں مہکتے ہیں
میرا دامن جو خار و خس میں رہا

میں نے تاروں پہ پھینک دی ہے کمند
یہ بھی میری ہی دسترس میں رہا

یاد میں نے کبھی کیا ہی نہیں
پھر بھی کوئی نفس نفس میں رہا

ہم تھے آرائشِ چمن میں اِدھر
وہ اُدھر زینتِ قفس میں رہا

تاجؔ! ہے چارہ گر وہی میرا
درد بن کر جو دل کی نس میں رہا





ہر کلی اشکبار ہوتی ہے
یوں بھی فصلِ بہار ہوتی ہے

آپ سے مل کے یہ ہوا محسوس
زندگی انتظار ہوتی ہے

غمِ دوراں مرے مقابل ہے
دیکھئے کس کی ہار ہوتی ہے

صرف دل ہی فدا نہیں ہوتا
آرزو بھی نثار ہوتی ہے

کیا کرے کوئی پھر سے عہدِ وفا
یہ خطا ایک بار ہوتی ہے

تاج کیا چیز ہے محبت بھی
سب کے دل کا قرار ہوتی ہے





وہ ہواؤں کے ہمسفر نکلے
سارے عالم سے باخبر نکلے

درِ ظلمت پہ ہم کھڑے ہیں مگر
جانے کس راہ سے سحر نکلے

لگ گئی تہمتِ جنوں ہم پر
زخم جب اپنے در بہ در نکلے

ناز تھا جن کو اپنی گلیوں پر
خون سے وہ بھی تر بہ تر نکلے

ہم نے تزئینِ گلستاں یوں کی
پھول ہی پھول تھے جدھر نکلے

رو دیئے سُن کے داستانِ تاج
لفظ سب جتنے تھے پُر اثر نکلے





پہلی جیسی بات کہاں ہے
اشکوں کی برسات کہاں ہے

روشن دل اب تو ہی بتا دے
سہمی سی وہ رات کہاں ہے

کہنے کو وہ ساتھ ہیں لیکن
اُن کا میرا ساتھ کہاں ہے

لاکھ ہوں دل میں غم کے بادل
پلکوں پر برسات کہاں ہے

بجنے لگی شہنائی خوشی کی
نغموں کی بارات کہاں ہے

تاآج وہی اک دل ہے اپنا
پہلی جیسی بات کہاں ہے





دردِ دل اب بیاں نہیں ہوتا
زخم، دل کا عیاں نہیں ہوتا

کس سے رکھیں کرم کی امیدیں
وہ ستم گر کہاں نہیں ہوتا

گھر جلے گا تو آگ بھڑکے گی
دل جلے تو دھواں نہیں ہوتا

زندگی مل گئی تو ہے لیکن
زندگی کا گماں نہیں ہوتا

کب سے وہ پھر رہی ہے آوارہ
آرزو کا مکاں نہیں ہوتا

اس کے عہدِ وفا پہ قائم ہوں
ذکر جس کا یہاں نہیں ہوتا

زندگی تا آج ایک تلاطم ہے
ختم یہ امتحاں نہیں ہوتا





یوں بہاروں سے اب رابطہ رہ گیا
زخم، دل کا ہرا تھا، ہرا رہ گیا

آرزو، رقصِ پرواز کرنے لگی
دل کا شاید قفس پھر کھُلا رہ گیا

موجِ طوفاں پلٹ آئی ساحل سے پھر
کون جانے سمندر میں کیا رہ گیا

منزلیں رہنما لے کے چلتے بنے
اک ہمارے لئے نقشِ پا رہ گیا

جب نہیں آپ تو زندگی میں مری
تشنگی کے سوا اور کیا رہ گیا

کشتیاں ڈھونڈنے اہلِ ساحل گئے
آج، ساحل پہ بس ناخدا رہ گیا





اپنی فطرت پہ ناز اَب بھی ہے
غم سے راز و نیاز اَب بھی ہے

باوجود اتنی بے ثباتی کے
زندگی، سرفراز اَب بھی ہے

کوششِ چارہ گر نہ آئی کام
دل میں سوز و گداز اب بھی ہے

ہے کسے حادثوں کی فکر یہاں
زخم خود چارہ ساز اب بھی ہے

زندگی اِک شکستہ ساز سہی
اُس کی لَے دلنواز اَب بھی ہے

مرگِ انسانیت بجا، اے تاجؔ
زندگی کا جواز اَب بھی ہے





دعاؤں میں اپنی اثر دیکھتے ہیں
ہمیشہ جو نورِ سحر دیکھتے ہیں

کوئی تو بتائے کہاں ہے اُجالا
اندھیرا بہت ہے جدھر دیکھتے ہیں

کئی روز خانہ بدوشوں میں رہ کر
کبھی تو ، ہم اپنا بھی گھر دیکھتے ہیں

جنہیں چشمِ پُرنم سے بھی واسطہ ہے
وہی لوگ زخمِ جگر دیکھتے ہیں

بہت دن ہوئے ایسے لوگوں سے مل کر
جو خوابوں میں نورِ سحر دیکھتے ہیں

جنھیں رہنما پر بھروسہ نہیں ہے
وہی تاجِ گردِ سفر دیکھتے ہیں





کسے خبر تھی ہماری بھی یہہ نظر ہو گی
ہمیں بھی چاند ستاروں کی کچھ خبر ہو گی

زمانہ ہم کو کبھی آفتاب سمجھے گا
ہمیں یقین ہے ایسی بھی اک سحر ہو گی

وفا کی بات تو مشہور ہو رہی ہے مگر
یہہ سوچنا ہے خبر کیا یہ معتبر ہو گی

یہہ حوصلہ تو ملا تجھ سے گردشِ دوراں
مجھے یقیں ہے مری فکر خوب تر ہو گی

یقین کیجئے وہ خود ہی مندمل ہوں گے
ہمارے زخموں پہ جب آپ کی نظر ہو گی

ہجومِ غم سے تو سیراب ہو گئے ہم تاج
نگاہِ دوست خدا جانے کب کدھر ہو گی





رنگِ صہبا بھی نہیں صبح کے رخساروں میں
پھول تک زرد ہیں اب وقت کے گلزاروں میں

اب کسی شئے کو بھی بیکار نہ سمجھا جائے
عکسِ قاتل بھی ہے ٹوٹی ہوئی تلواروں میں

تجھ کو اب لوگ مرے نام سے پہچانیں گے
ذکر ہوگا ترا اب شہر کے اخباروں میں

توڑ دے شیشے سے ان سخت چٹانوں کو بھی
کوئی تو ہوگا مرے شہر کے فنکاروں میں

شہر میں سب کو زلیخائی نظر سے دیکھے
کیا یوسف نہ ملا شہر کے بازاروں میں

دیکھنے تجھ کو سردارِ زمانہ آیا
ہوگیا تاج ترا نام وفاداروں میں





ملے تجھے سہمے ہوئے مہر و ماہ پہلے بھی
بہت کٹھن تھی وفاؤں کی راہ پہلے بھی

فسوں نہ ٹوٹا ہے پرواز کا نہ ٹوٹے گا
جھکائی ہم نے فلک کی نگاہ پہلے بھی

رکھا ہے آپ نے جس حال میں بہت خوش ہیں
نہ کی تھی ہم نے مروت کی چاہ پہلے بھی

ہمیں تو شوق ہے ٹکڑے سمیٹ رکھنے کا
ہوا ہے یوں تو بہت دل تباہ پہلے بھی

معاملہ ہے مرا آپ کیوں پریشاں ہیں
قریب مجھ سے تھے یہ مہر و ماہ پہلے بھی

زمانہ ضبطِ فغاں سے ہے آج کیوں برہم
نہ تھی لبوں پہ کبھی میرے آہ پہلے بھی





میں ہوں دردِ دل سے بھی آشنا، مجھے ضبطِ غم کا شعور ہے
نہ اسیرِ عیش و نشاط ہوں نہ تو راحتوں کا غرور ہے

کوئی جلوہ جب سرِ طور تھا، کہاں دید کا وہ شعور تھا
ہوا شوقِ دید جو دل نشیں، نہ وہ طور ہے نہ ظہور ہے

یوں تو شامِ غم کی سحر بھی ہے، یوں تو دردِ دل کی دوا بھی ہے
وہاں کوئی جا کے کرے گا کیا، جہاں قسمتوں کا قصور ہے

یہ شکستہ پائی کے مرحلے، ہیں تھکے تھکے سے یہ قافلے
ابھی رہنما بھی ہے بے خبر، ابھی منزلوں سے وہ دور ہے

وہی سب یہاں ہے جو پہلے تھا، سبھی کچھ ہے اپنے مقام پر
وہی خاک ہے وہی آب ہے وہی آگ ہے وہی نور ہے

مری تشنگی ہے وہ تشنگی، مجھے تا آج حاجتِ مے نہیں
میں تو مستِ جامِ الست ہوں، مجھے بے پئے ہی سرور ہے





جو اُدھورے سے خواب ہوتے ہیں
کس قدر وہ عذاب ہوتے ہیں

کم سے کم اِتنا جان لیتے آپ
زخمِ دل بھی گلاب ہوتے ہیں

یوں بھی یہ پُرفریب سے چہرے
وقت پر بے نقاب ہوتے ہیں

غم میں اوروں کے جینے والے بھی
آپ اپنا جواب ہوتے ہیں

سچ جو پوچھو تو وہ ہیں شب بیدار
جن کی آنکھوں میں خواب ہوتے ہیں

تاج مشکل ہے زندگی کا سفر
ہر قدم پر سراب ہوتے ہیں





چل پڑو کارواں ملے نہ ملے
منزلوں کا نشاں ملے نہ ملے

تِنکے تِنکے سے مل کے رو لینا
جانے پھر آشیاں ملے نہ ملے

شوقِ پرواز تو سلامت ہے
یہ زمیں آسماں ملے نہ ملے

زخمِ دل تم کو ہی دکھانا ہے
پھر کوئی مہرباں ملے نہ ملے

جاتے جاتے جھکا تو لوں سر کو
پھر ترا آستاں ملے نہ ملے

تاجؔ ! اب ربط ہے ستاروں سے
کوئی ہم کو یہاں ملے نہ ملے





ہم دیارِ دوست میں اک اجنبی بن کر رہے
اِس طرح جیتے رہے ہم بے بسی بن کر رہے

دامنِ اُمید اپنے ہاتھ سے چھوٹا نہیں
ہم اندھیروں میں بھی رہ کر روشنی بن کر رہے

غالباً گذرے نہیں ہوں گے سرابوں سے کبھی
وہ مسافر راہ میں جو تشنگی بن کر رہے

ترک ہم نے کب کیا تازہ اُجالوں کا سفر
جب کبھی شمعیں بجھیں ہم چاندنی بن کر رہے

کس نے یہ تم سے کہا اب سُننے والے ہیں کہاں
جب ملے اہلِ سخن ہم شاعری بن کر رہے

تم نے دیکھی ہی کہاں ہے میری دنیا کی بہار
تم تو بس میری ہی آنکھوں کی نمی بن کر رہے

تاج سے تھے وہ بھی تو پھولوں کی قبا پہنے ہوئے
گوشۂ دل میں ترے جو غم کبھی بن کر رہے





جب ہم سفر نہ تھا کوئی جب رہنما نہ تھے
اِتنے تو اپنے پاس کبھی زخمِ پا نہ تھے

یوں تو کرم نواز بہت تھے ہمارے ساتھ
یہہ اور بات ہے کہ وہ غم آشنا نہ تھے

ہم کو بھی فرشِ گُل سے گذرنا پڑا مگر
کانٹے ہمارے پاؤں سے پھر بھی جُدا نہ تھے

یہہ لوگ کیوں ہمیں نظر انداز کر گئے
ہم اِتنے بے سہارا کبھی بے نوا نہ تھے

کیوں آج ہم پہ گردشِ دوراں کی ہے نظر
آواز اپنی ہم تھے کسی کی صدا نہ تھے

کیوں کہہ رہے ہیں لوگ ستاروں کی انجمن
روشن تو اِتنے آج ترے نقشِ پا نہ تھے





کس قدر گردشِ دوراں نے ستایا ہے مجھے
آگ سے ہی نہیں پانی سے جلایا ہے مجھے

آبلہ پائی پہ کرتا ہے مری ، طنز وہی
جس نے تپتے ہوئے صحرا میں چلایا ہے مجھے

آپ شرمندہ نہ ہوں، آپ کا یہہ ذکر نہیں
وہ کوئی اور ہی تھا جس نے رُلایا ہے مجھے

یوں تو پہلے ہی سے الزام ہے بیداری کا
عالمِ خواب سے کیوں تم نے جگایا ہے مجھے

علم و دانش کی کتابوں میں مجھے لوگ پڑھیں
شاعرہ ایسی مقدر نے بنایا ہے مجھے

تاجؔ اب تک بھی ہے بھیگا ہوا دامن میرا
اتنا بے درد زمانے نے رُلایا ہے مجھے





جس روز سے ٹوٹا ہوا پیمانہ بنی ہے
اُس دن ہی سے یہ زندگی افسانہ بنی ہے

یہ کس کی امانت ہے کوئی مجھ کو بتائے
جب زیست نہ ساغر ہے نہ مے خانہ بنی ہے

تزئینِ گلستاں کی کرے کون تمنّا
جس دل کی زمیں نرم تھی ویرانہ بنی ہے

حالات کی شمعوں کی لوئیں تیز ہوئی ہیں
جب سے کہ مری زندگی پروانہ بنی ہے

جو زندگی برسوں رہی پتھراؤ کی زد میں
دنیا نے یہ سمجھا کہ صنم خانہ بنی ہے

اے تاجؔ! تری زیست کا کیسا ہے یہ عالم
یہ شمع بنی ہے کبھی پروانہ بنی ہے





روابط بڑھ گئے جب باغباں سے
قفس میں آ گئے ہم گلستاں سے

ملے نغمہ سرائی سے جو فرصت
ہلا دوں عرش کو آہ و فغاں سے

سُلگتے ہیں اگر دو چار تنکے
تمہیں کیوں ڈر ہے میرے آشیاں سے

مجھے احساسِ ناکامی نہیں ہے
نہ گھبرا دل نئے اب امتحاں سے

ہوئی تب جا کے تزئینِ گلستاں
بہت لڑنا پڑا ہے آسماں سے

اندھیرا کب ہے راہوں میں مری تاج
مری راہیں ہیں روشن کہکشاں سے





دل کو بچائے رکھنے کے ارمان تھے بہت
ہم دل شکستہ ہو گئے نادان تھے بہت

شرمندہ لوگ جو تھے چمن سے نکال کر
وہ بھی چمن میں رہ کے پریشان تھے بہت

راہِ طلب میں یوں تو بہت دور تک چلے
منزل کے پاس آ کے وہ انجان تھے بہت

ہم نے بہ یک نگاہ انہیں کر دیا معاف
گو ہاتھ میں ہمارے گریبان تھے بہت

خود آپ میرے دل کی تواضع میں لگ گئے
یوں تو غریب خانے میں مہمان تھے بہت

اہلِ وفا سے تاج! یہ ہیں ساری رونقیں
دار و رسن تو ویسے بھی ویران تھے بہت





کچھ بھول گئے ہیں ہم، کچھ باتیں ہیں ازبر بھی
حالات کی زد میں ہے کیا اپنا مقدر بھی

ہر دور میں دیوانے، فرزانوں پہ غالب تھے
پھونکے ہیں نشیمن بھی، پی ڈالے سمندر بھی

اس دورِ محبت کے کچھ ایسے بھی حاتم ہیں
کشکول لئے اپنا پھرتے ہیں سکندر بھی

بیمارِ محبت اب اس حال کو پہنچے ہیں
کانٹے بھی ہیں دامن میں، ہاتھوں میں گلِ تر بھی

وسعت سے نہیں واقف اشکوں کی ابھی دنیا
بس ایک ہی قطرہ میں ہوتا ہے سمندر بھی

کیا جانئے کس رہ پر وہ ٹوٹ کے بکھرے گا
پتھر کے نگر میں ہے شیشہ کا وہ پیکر بھی

تاثیرِ فغاں تیری اے تاج یہ کیسی ہے
ٹوٹے ہوئے شیشے ہیں اور موم ہے، پتھر بھی





شکوۂ شورشِ حالات بہت مشکل ہے
زندگی تجھ سے ملاقات بہت مشکل ہے

سانس لینے کا بھی اب وقت کہاں سے لائیں
اور پھر اُن سے ملاقات بہت مشکل ہے

بند کر دی ہے زباں، ضبطِ فغاں نے میری
غمِ دوراں کی کوئی بات بہت مشکل ہے

غم لہو بن کے ٹپکتا ہے مری آنکھوں سے
مجھ پہ ہوں اور عنایات بہت مشکل ہے

درد و غم سہنے کا اب بھی ہے سلیقہ مجھ میں
غمِ دوراں دے مجھے مات بہت مشکل ہے

تاآج کی راہ میں بیٹھے ہیں ہزاروں رہزن
ساتھ ہے یادوں کی بارات، بہت مشکل ہے





جب بھی ستم کے شعلوں سے ہم خاک ہو گئے
اظہارِ غم میں اور بھی بے باک ہو گئے

کٹنے لگی ہے عمر ستاروں کی چھاؤں میں
اس طرح ہم بھی زینتِ افلاک ہو گئے

یہ موسمِ بہار نہیں ہے تو کیا ہے پھر
دامن گلوں کے کس لئے پھر چاک ہو گئے

بادِ صبا سے کرتے تھے کل تک جو گفتگو
آندھی چلی تو وہ خس و خاشاک ہو گئے

روشن ہمیں نے رکھا ہے شمعِ حیات کو
یہ اور بات ہے کہ ہمیں خاک ہو گئے

اہلِ جنوں سے ملتے رہے بار بار ہم
اے تاج ہم بھی صاحبِ ادراک ہو گئے





زندگی، دیدۂ پُرنم کے سوا کچھ بھی نہیں
پاس اب میرے ترے غم کے سوا کچھ بھی نہیں

تجھ سے ملنا ہو تو کچھ سوچ سمجھ کر ملئے
دوستی، رنجشِ پیہم کے سوا کچھ بھی نہیں

یوں تو ہے سلسلہ پھولوں کا بہت طول مگر
دُور تک شعلہ و شبنم کے سوا کچھ بھی نہیں

ٹوٹ جائے گا ذرا اسکی حفاظت کیجے
دل تو اک جنبشِ پیہم کے سوا کچھ بھی نہیں

یہ تعارف، یہ تکلم، یہ تخاطب کی ادا
یہ بھی اک رشتۂ باہم کے سوا کچھ بھی نہیں

فاطمہ تاج تجھے کون یہ سمجھائے گا
زندگی، نغمۂ ماتم کے سوا کچھ بھی نہیں





چشمِ نم آج بھی سوالی ہے
کب سے دامن ہمارا خالی ہے

کیا گلہ تنگ دامنی کا کریں
اب تو دستِ عطا بھی خالی ہے

اتنی اونچی ہوئی مری پرواز
مہر و مہ نے نظر جھکا لی ہے

یہ زمیں چیز کچھ نہیں، ہم نے
آسمانوں میں رہ نکالی ہے

دے رہا ہے کوئی پیامِ سحر
رات لمبی یہ کٹنے والی ہے

چشمِ نم مسکرا رہی ہے تاجؔ
ہم نے رسمِ وفا نبھالی ہے





منزلوں کا جب اپنا خود پتا نشاں نہیں ہوتا
راستے تو ہوتے ہیں کارواں نہیں ہوتا

ایسی رُت بھی چلتی ہے زندگی کی راہوں میں
شاخِ گُل تو ہوتی ہے آشیاں نہیں ہوتا

آپ سے نہیں مطلب، میرا تجربہ یہ ہے
ہر کوئی مصیبت میں مہرباں نہیں ہوتا

کتنے صحرا ملتے ہیں زندگی کی راہوں میں
ہم سفر کے ماروں کو یہ گماں نہیں ہوتا

ضبطِ غم کی منزل میں یوں بھی دن گذرتے ہیں
دل سُلگتا رہتا ہے اور دھواں نہیں ہوتا

تاجؔ اپنے نغموں میں ہر کوئی یہاں گُم ہے
کیوں کسی کا اب کوئی ہم زباں نہیں ہوتا





رقص ہے، درد ہے سلاسل ہے
زندگی پھر مرے مقابل ہے

جس کو رسمِ وفا نہیں معلوم
کیسے کہہ دوں وہ میرا قاتل ہے

ہے سفر میرا اِس طرح جاری
سامنے جیسے میرے منزل ہے

پھر نشیمن ہے برق کی زد میں
سانس لینا بھی آج مشکل ہے

ٹوٹی کشتی ہے، اور میں بھی ہوں
اب نہ طوفاں ہے اور نہ ساحل ہے

کیسے سمجھاؤں دوستوں کو تاج
تشنگی، زندگی کا حاصل ہے





راہبر پوچھتے ہیں محمل سے
ہم ہیں پھر کتنی دور منزل سے

گردِ رہ ہم اگر ہوئے تو کیا
بچ گئے قافلے تو مشکل سے

آخر اِس قتل کا سبب کیا تھا
کون پوچھے گا میرے قاتل سے

ہم تو طوفاں سے بچ کے آئے مگر
خوف آنے لگا ہے ساحل سے

پھر کبھی لوٹ کر نہ آئیں گے
ہم تو جاتے ہیں تیری محفل سے

زندگی کا شعور ہے شاید
تاج ہم ہو گئے ہیں غافل سے





زخم کھا کھا کے خود پہ ناز کیا
لالہ و گُل کو سرفراز کیا

مختصر کر کے زندگی کس نے
وقفۂ غم کو پھر دراز کیا

غم کی آواز چھین کر تم نے
سلسلۂ درد کا دراز کیا

جیسے حالات تھے جیئے، ہم نے
کب خوشی، غم میں امتیاز کیا

یاد آیا مآلِ موسمِ گُل
جب بھی ہنسنے سے احتراز کیا

غم کی دولت نواز کر کے تاج
آپ نے ہم کو بے نیاز کیا





اب کے موسم میں رنگ و بُو بھی نہیں
مجھکو اب تیری آرزو بھی نہیں

جانے کس ڈھنگ سے بہار آئے
اہلِ گلشن کو جستجو بھی نہیں

جس سے میں کھُل کے دل کی بات کروں
کوئی اب ایسا روبرو بھی نہیں

برق کیا جانے کیوں تڑپتی ہے
شاخِ گُل اِتنی سُرخ رُو بھی نہیں

کیا بجھے تشنگی مسافر کی
دور و نزدیک آبِ جو بھی نہیں

کس طرح دشت کو نکھاریں تاجؔ
آبلوں میں تو اب لہو بھی نہیں





بے حسی داخلِ نصاب ہوئی
زندگی اِس لئے عذاب ہوئی

آرزو زخم تو نہیں ہوتی
کھلتے کھلتے مگر گلاب ہوئی

مختلف قسم کے سوالوں کا
خاموشی ہی مرا جواب ہوئی

سو طرح کی رُکاوٹیں تھیں مگر
زندگی پھر بھی کامیاب ہوئی

آرزو اور جگمگانے لگی
زندگی جب بھی ماہتاب ہوئی

رہنما سوگئے ہیں راہوں میں
ایک منزل تھی وہ بھی خواب ہوئی

ایک ایک حرف پڑھ رہا ہے کوئی
زندگی تاج کی کتاب ہوئی





چراغوں کا اب وہ سماں بھی نہیں ہے
کہیں کوئی اب کہکشاں بھی نہیں ہے

تلاشِ بہاراں میں پہنچے تھے گُلشن
بہاروں کا منظر وہاں بھی نہیں ہے

مداوا تو کرنے وہ آئے ہیں لیکن
کہیں زخمِ دل کا نشاں بھی نہیں ہے

وہ عکسِ تجلّی، وہ شوقِ نظارہ
یہاں بھی نہیں ہے، وہاں بھی نہیں ہے

سُنا ہے نشیمن جلائے گئے ہیں
مگر گُلستاں میں دُھواں بھی نہیں ہے

یہ کیسا ہے طرزِ سخن! تاجؔ تیرا
نہاں بھی نہیں ہے، عیاں بھی نہیں ہے





ذہنِ منصف کا ابھی تک کسی تدبیر میں ہے
رقصِ بسمل کا چمکتی ہوئی شمشیر میں ہے

دفعتاً سینۂ افلاک ہو لرزاں جس سے
ایسی کچھ گرمیٔ دل بھی مری تحریر میں ہے

اس لئے رہتی ہے ہر صبح کے چہرہ پہ نظر
میرا ہر خواب مرے درد کی تصویر میں ہے

میں نے مانا کہ ہر اک دورِ ستم ہے اُن کا
کیا کوئی عہدِ وفا بھی مری تقدیر میں ہے

دوست، دشمن مرے غمخوار ہوئے جاتے ہیں
ایسی کچھ بات مرے درد کی تشہیر میں ہے

راہرو سے یہ کہو راستہ بدلے اپنا
تاجؔ! مصروف ابھی شہر کی تعمیر میں ہے





چل تو پڑے ہیں لیکن رختِ سفر نہیں ہے
منزل کہاں ہے اپنی یہ بھی خبر نہیں ہے

کیوں انتظار تم کو ہے اب بھی فصلِ گل کا
کیا پھول جیسا میرا زخمِ جگر نہیں ہے

ہر گوشۂ چمن اب ہے پُر بہار لیکن
کیا اِس میں میرا شاملِ ذوقِ نظر نہیں ہے

آنکھوں میں بے سبب تو آتے نہیں ہیں آنسو
کیا زخم میرے دل میں اے چارہ گر نہیں ہے

پہنچی ہے زندگانی پھر آخری حدوں پر
اب کوئی اس کے آگے شام و سحر نہیں ہے

یہ آبلے، یہ رستے دکھلائیں تاج کس کو
مجبوریاں ہیں اپنی شوقِ سفر نہیں ہے





کب تلک پیچ و تابِ دریا کا
کون ہے ہم رکابِ دریا کا

آپ ساحل پہ ہی ٹھہر جائیں
ہم تو ٹھہرے حبابِ دریا کا

خود سفینوں میں آج طوفاں ہے
کوئی دیکھے نہ خوابِ دریا کا

کشتیاں رہ گئیں لبِ ساحل
کون دیتا جوابِ دریا کا

خود ہی قدموں میں آگئیں موجیں
ہائے! یہ اضطرابِ دریا کا

تاجؔ اب پونچھ لیجئے آنسو
ہو چکا بس حسابِ دریا کا





تھی جن کو آرزو کہ کوئی راہبر ملے
رہزن اُنہیں کو صورتِ آئینہ گر ملے

سوچا ہے اب کی بار تو جی بھر کے دیکھ لیں
پھر جانے کس مقام پہ ہم کو سحر ملے

دامن میں آپ کے تو کئی مہر و ماہ تھے
ہم کو ذرا سی بات پہ زخمِ جگر ملے

حالانکہ چشمِ نم کے سوا کیا ہے اپنے پاس
دنیا سمجھ رہی ہے کہ لعل و گہر ملے

جادو کچھ ایسا کر دیا شبنم نگاہ نے
گلشن میں جتنے پھول ملے تر بتر ملے

کس طرح تاج جشنِ بہاراں مناتے ہم
حالات خیر خواہوں کے جب منتشر ملے





آپ کا غم بیاں نہیں ہوگا
ہم سے یہ امتحاں نہیں ہوگا

ہم تو یہ شہر چھوڑ جائیں گے
آپ کا جب مکاں نہیں ہوگا

ہم نہیں ہوں گے جب بہاروں میں
گلستاں، گلستاں نہیں ہوگا

دام ہی دام ہوں گے گلشن میں
شاخ پر آشیاں نہیں ہوگا

چارہ گر کا تو یہ بھی دعویٰ ہے
زخم کا بھی نشاں نہیں ہوگا

ایک سجدہ بچا ہوا ہے تاجؔ
وہ بھی نذرِ بُتاں نہیں ہوگا





کیا شہر تھا یہ کس نے ویرانہ بنا ڈالا
حالات نے لوگوں کو افسانہ بنا ڈالا

یا موسمِ گُل میں ہیں آثارِ جنوں شامل
یا یاد نے ماضی کی دیوانہ بنا ڈالا

کچھ دولتِ غم سے بھی لبریز ہوئے ہیں ہم
کچھ گردشِ دوراں نے پیمانہ بنا ڈالا

تھا شوقِ رفو ہم کو دامن بھی دریدہ تھا
ہم کو اِسی عادت نے دیوانہ بنا ڈالا

کیا حشر ہو سجدوں کا ہم کو تو نہیں معلوم
ہر گام پہ ہم نے تو بُت خانہ بنا ڈالا

اِس دورِ حوادث نے کیا کیا نہ ستم ڈھائے
دل تاج کا گلشن تھا ویرانہ بنا ڈالا





جو شخص اُمیدوں کے سہارے پہ جیا تھا
حالات کا اُس نے بھی کبھی زہر پیا تھا

اتنا ہے ہمیں یاد، شبِ تار تھی روشن
معلوم نہیں ہاتھ میں کِس کِس کے دِیا تھا

مجھ کو نہ رہی چاکِ گریباں کی شکایت
اِس طرح کچھ اُس نے مرے دامن کو سِیا تھا

مجھ سے تو ادا ہو نہ سکا قرضِ محبت
کیوں اس نے پھر احساں مری ہستی پہ کیا تھا

مجھ کو یہ خبر کب تھی کہ طوفان اُٹھے گا
یہ سچ ہے کہ جلتا ہوا آنکھوں میں دیا تھا

ہنگامِ وفا تاج رہا یاد نہ کچھ بھی
کیا اُس نے دیا تھا مجھے کیا میں نے کیا تھا





اے دستِ فلک بھیج دے مہتاب اِدھر بھی
معدوم اُجالوں کے ہیں اسباب اِدھر بھی

اِس دردِ مسلسل کا کوئی نام تو ہوگا
بے چین اُدھر دل ہے تو بیتاب اِدھر بھی

یوں آبلہ پائی پہ نہ کر ناز تو اِتنا
زخمِ دلِ پُرسوز ہے شاداب اِدھر بھی

کیوں فصلِ بہاراں میں نہیں شورِ سلاسل
ہاں نغمہ اُدھر چُپ ہے تو مضراب اِدھر بھی

کچھ ہوتے ہیں ساحل پہ بھی غرقاب سفینے
کچھ کشتیاں ہوتی ہیں تہِ آب اِدھر بھی

بے چین ترا دل ہے تو دعویٰ نہیں اچھا
ہے تاج مرے ذکر سے بیتاب اِدھر بھی





جب سفر پہ ہم نکلے کوئی بھی نہ اپنا تھا
پھر بھی ہم سفر اپنا ایک سایہ تھا

عارضہ ہے یہ دل کا لوگ یہ سمجھ بیٹھے
اک خیال جینے کا دل میں جب بسایا تھا

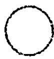
میری بھیگی پلکوں پر رات بھر رہے رقصاں
جیسے اِن ستاروں کو میں نے ہی بُلایا تھا

ٹوٹنے نہ پائے گا اُن سے جو بھی رشتہ ہے
مجھ کو میری دنیا نے خواب یہ دکھایا تھا

شامِ غم کے آنسو تو خشک ہوگئے کب کے
اشک میں نے آنکھوں سے اپنے کب بہایا تھا

اک نہ ایک دن وہ بھی انجمن میں آئیں گے
تاجؔ سوچ کر ہم نے یہ قدم اٹھایا تھا





نگاہِ کم سخن کا مدعا کیا
جو پہلے تھا اب آنکھوں میں رہا کیا

ہے لب پر تلخیٔ دوراں کا ساغر
زمانے کو یہ آخر ہو گیا کیا

ہوئے مانوس جب فصلِ خزاں سے
بہاروں سے ہمارا واسطہ کیا

ہوئے ہیں گم مسرت کی فضا میں
نہ جانے اہلِ غم کو ہو گیا کیا

بہت ہے زعم، بینائی کا تم کو
نظر آتا نہیں ہے راستہ کیا

کئی دن سے وہ تنہائی میں گم ہے
نہ پوچھو تاج کو اب ہو گیا کیا





لوگ جب اپنے مقابل ہو گئے
وار سے خود اپنے گھائل ہو گئے

تھا جنھیں فرزانگی پہ اپنی ناز
وہ بھی دیوانوں میں شامل ہو گئے

کیسے ہم دورِ مسیحائی میں ہیں
جتنے ہمدم تھے وہ قاتل ہو گئے

کشتیاں گرداب میں جب آ گئیں
ناخدا بھی جزوِ ساحل ہو گئے

چومتی تھیں سرپھری موجیں بھی پاؤں
ہم جو طوفاں کے مقابل ہو گئے

بات اتنی کون اب سمجھے گا تاج
راستے سمٹے تو منزل ہو گئے





جانے کیوں میرا ہمسفر نہیں آیا
کیوں مری راہ پر نہیں آیا

کب سے پھیلا ہے میرا دستِ طلب
دینے والا اِدھر نہیں آیا

خون رِسنے لگا ہے زخموں سے
جانے کیوں چارہ گر نہیں آیا

فصلِ گُل کا پیامِ نَو لے کر
آج تک نامہ بر نہیں آیا

زخمِ دل کو جو مندمل کر دے
ایسا کوئی نظر نہیں آیا

جو گیا تاجؔ دل کی راہوں میں
وہ کبھی لَوٹ کر نہیں آیا





مدت کے بعد ہم بھی شناسائے فن ہوئے
اہلِ سخن کا ساتھ تھا اہلِ سخن ہوئے

اذنِ سخن ملا ہے تو کچھ کہہ رہے ہیں ہم
یوں تو زبان بندی کے کیا کیا جتن ہوئے

کن کن اذیتوں میں کٹی اپنی زندگی
پر کٹ گئے، ہمارے تو زنداں شکن ہوئے

احسان ہم نے موسمِ گل کا لیا نہیں
خود ہم ہی اپنی ذات میں رہ کر چمن ہوئے

دنیا کھڑی ہے دیدۂ حیراں لئے ہوئے
یہ بھی ہے اک کرشمہ کہ ہم اہلِ فن ہوئے

اے تاج اپنے اپنے مقدر کی بات ہے
تنہائیوں میں رہ کے بھی ہم انجمن ہوئے





میرا اک اک لمحہ تابندہ رہا
پاس جب تک یہ دلِ زندہ رہا

جب کیا میں نے سرِ تسلیم خم
میرا قاتل مجھ سے شرمندہ رہا

ظلمتِ شب سے گواہی لیجئے
رات بھر ہر خواب رخشندہ رہا

طنز تو شامل تبسّم میں نہ تھا
پھر بھی کیوں ہم سے وہ شرمندہ رہا

دے رہا تھا وہ پیامِ زندگی
مجھکو دیکھا تو وہ نم دیدہ رہا

پھر نئے غم تا آج کو مت دیجئے
دیجئے غم، دل اگر زندہ رہا





جلوہ دکھانے والے نقابوں میں رہ گئے
چہرہ کے جتنے عکس تھے خوابوں میں رہ گئے

آرائشِ چمن میں بہت احتیاط کی
کچھ خار پھر بھی تازہ گلابوں میں رہ گئے

جتنے بھی لوگ زخمِ تمنا سے دُور تھے
تاعمر ایسے لوگ عذابوں میں رہ گئے

فطرت تو گُل کھلاتی رہی اپنے رنگ میں
ہم تو فقط عذابوں، ثوابوں میں رہ گئے

ہر نقشِ آرزو کو مٹاتے رہے ہیں ہم
کچھ نقش پھر بھی دل کی کتابوں میں رہ گئے

تھے جتنے زخمی پاؤں وہ سب فرشِ گُل پہ ہیں
اے تاجؔ! ہم تو خانہ خرابوں میں رہ گئے





دیوانہ اپنے دوش پہ لے کر قفس گیا
فرزانہ اپنے جال میں خود آ کے پھنس گیا

شاید کہ وہ بھی تھی گلِ تازہ کی اک ادا
مجھ کو لگا کہ وہ میری حالت پہ ہنس گیا

یہ کیسی فصلِ گل ہے کہ کچھ بھی کشش نہیں
کلیوں کے رنگ اُڑ گئے پھولوں سے رس گیا

آئے نہ آئے موسمِ گل کوئی غم نہیں
وہ منظرِ چمن مری آنکھوں میں بس گیا

مقتل میں رسم اک نئی ایجاد ہو گئی
خنجر ملا نہ اُس کو تو زنجیر کس گیا

رقصاں نہ ہو سکی کبھی اے تاج زندگی
نغمہ جو ہم نے یہ چھیڑا تو تارِ نفس گیا





نہیں یہ غم کہ مرا اپنا اختیار گیا
نگاہِ دوست مگر تیرا اعتبار گیا

تمہارے ظلم کی تاریخ کون لکھے گا
جو بے گناہ تھا وہ بھی قریبِ دار گیا

ہُنر تو مجھ کو بھی آتا ہے گُل کھلانے کا
نہیں ہے فکر اگر موسمِ بہار گیا

یقین تھا یہی انجام ہونے والا ہے
وہ ایک شخص تھا دیوانہ، سوئے دار گیا

تمام غنچہ و گُل آئے خیر مقدم کو
دیوانہ صحنِ چمن میں جو ایک بار گیا

نہ جانے چہرے پہ کیا اپنے آج لکھا تھا
ہماری بزم سے ہر کوئی سوگوار گیا





صفحۂ تاریخ میں یہ واقعہ رہ جائے گا
کشتی ڈوبے گی مری اور ناخدا رہ جائے گا

تجھ سے برسوں کا ہے رشتہ ایک دو دن کا نہیں
مرتے مرتے ہاتھ میں دامن ترا رہ جائے گا

کم کسی صورت میں بھی ہوں گے نہ آداب جنوں
رہنما ہی جب نہ ہوں تو نقش پا رہ جائے گا

کیجئے ترکِ تمنّا شوق سے کیجئے مگر
لب پہ میرے آپ کا عہدِ وفا رہ جائے گا

دشمنِ جاں آرہے ہیں پھر عیادت کو مری
زخمِ دل تو اور بھی اس سے ہرا رہ جائے گا

لغزشِ گُل کا تذکرہ کرتے رہیں گے تاج ہم
یوں بہاروں سے ہمارا واسطہ رہ جائے گا





کر گیا کون اندھیروں کے حوالے مجھ کو
ڈھونڈتے پھرتے ہیں اب تک بھی اُجالے مجھ کو

ہائے کس وقت مرے ہاتھوں سے تیشہ چھوٹا
سنگ کہتا ہے کہ آئینہ بنا لے مجھ کو

میرا جس وقت بھی صحرا کا سفر ختم ہوا
مسکرانے لگے پھر دیکھ کے چھالے مجھ کو

زندگی جانے یہ کس موڑ پہ لے آئی مجھے
لڑکھڑاتے ہیں قدم کوئی سنبھالے مجھ کو

کم سے کم اپنی نگاہوں میں تو محفوظ رہوں گا
اے غمِ زیست تو آنکھوں میں چھپا لے مجھ کو

تاجِ انجم ہے کبھی، گوہرِ شبنم ہے کبھی
نام کیوں دیتی ہے دنیا یہ نرالے مجھ کو





موسم ترے چمن کے تو سب بے مثال تھے
ایسے بھی پھول دیکھے لہو سے جو لال تھے

یہ اور بات ہے کہ تھا منزل پہ ہم کو ناز
لیکن سفر کے کرب سے ہم بھی نڈھال تھے

کچھ اس طرح سے پرسشِ احوال کر گئے
آنسو چھلک کے رہ گئے جو لازوال تھے

جو اہلِ شوق اُلجھے رہے منزلوں کے پاس
وہ خوش قدم نہیں تھے مگر خوش خیال تھے

جیسے بھی یہ کچھ تھے اپنے شب و روز کٹ گئے
لیکن وہ لمحے زیست کے کتنے محال تھے

اس محفلِ نشاط میں کس نے دیا جواب
تیری نظر میں تا آج بہت سے سوال تھے





پیشِ نظر ہمارے وہ کب سنگِ در نہ تھا
لیکن لہو میں اِتنا کبھی تربہ تر نہ تھا

کس سے کہیں کہ کیوں ہوئے منزل سے دُور ہم
رستہ نیا نیا تھا کوئی ہمسفر نہ تھا

جب تک چمن میں ہم رہے کچھ اور تھی فضا
کس نے کہا قفس میں کوئی ہم کو ڈر نہ تھا

شرمندہ ہو کے صبح نے خود پھیر لی نظر
دنیا سمجھ رہی تھی کوئی جلوہ گر نہ تھا

کس طرح ہم مکان اُسے کہتے ہم نشیں
دیوار و سائبان تو تھے در مگر نہ تھا

پُرسانِ حال اب بھی ہیں کچھ لوگ میرے تاج
کیسے کہوں کہ کوئی مرا چارہ گر نہ تھا





پھولوں کی طرح تازہ بہاروں کی طرح ہیں
ہم آج تلک بھی تو نظاروں کی طرح ہیں

اک دن ہمیں ڈھونڈو گے دیا ہاتھ میں لے کر
ہم بھی تو یہاں چاند ستاروں کی طرح ہیں

بدلے ہوئے موسم سے انہیں ڈر نہیں لگتا
طوفان میں رہ کر جو کناروں کی طرح ہیں

راہوں کا تعین بھی تو ہے منزلِ مقصود
سائے بھی تو اک طرح سہاروں کی طرح ہیں

کہہ دیجئے بڑے شوق سے اب ظلمتِ شب سے
کچھ لوگ یہاں ڈوبتے تاروں کی طرح ہیں

شبنم کی طبیعت لئے اے تاج ہیں ہم بھی
کچھ لوگ سمجھتے ہیں شراروں کی طرح ہیں





لبوں پہ پیاس تھی ہاتھوں میں جن کے جام رہے
وہ میکدے میں رہے پھر بھی تشنہ کام رہے

پلٹ کے ہم نے جو دیکھا تو دُور تھی منزل
تمام زندگی حالانکہ تیز گام رہے

اُن ہی کی آبلہ پائی نے دیدیا دھوکہ
رہِ سفر میں ہمیشہ جو نیک نام رہے

چمن پرست تھے اتنا قصور تھا اپنا
کہ ہم تو موسمِ گل میں بھی زیرِ دام رہے

یہ آنسو پلکوں پہ کچھ دیر یوں ہی رہنے دو
کہ بزمِ دوست میں اپنا بھی کچھ مقام رہے

خیالِ دوست کو اے تاجؔ ساتھ رہنے دو
نہ جانے صبح کہاں اور کہاں یہ شام رہے





جب فصلِ گُل میں صاحبِ گلشن نہیں رہے
پھر دُور تک یہ راستے روشن نہیں رہے

باقی تھی جن سے فصلِ بہاراں کی آبرو
آئی بہار تو وہی دامن نہیں رہے

زنداں میں اک ہجوم، اسیروں کا ہو گیا
لیکن شجر شجر وہ نشیمن نہیں رہے

ہم تو شکستہ دل ہی تھے ٹوٹے، بکھر گئے
جو دل کو جوڑتے تھے وہ اب فن نہیں رہے

رہتا تھا جن کا تازہ گلابوں سے واسطہ
سنتے ہیں اب وہ کانٹوں کے مسکن نہیں رہے

کیا جانے تا آج کیسے یہ گلشن دہک اُٹھا
موسم ہو کوئی ہم سے وہ بدظن نہیں رہے





رسوائیوں سے بچنا، امکاں میں کہاں ہے
بکھری ہوئی جہاں میں اب میری داستاں ہے

بادِ صبا مجھے بھی تُو اپنے ساتھ لے چل
کچھ دن سے جانیے کیوں خاموش گلستاں ہے

منزل ہے میرے آگے، مشکل قدم قدم ہے
خوشبو کے اِس سفر میں یادوں کا کارواں ہے

احساسِ غم کی عظمت اپنی جگہ ہے لیکن
کہتے ہیں دار جس کو وہ بھی تو جاوداں ہے

ایسا بھی وقت آیا خوشبو کے اِس سفر میں
منزل پہ روشنی ہے، راہوں میں کہکشاں ہے

تاجؔ! اب قفس میں رہ کر گلشن کا غم نہ کرنا
وہ بھی تو اک مکاں تھا یہ بھی تو اک مکاں ہے





منزل کی طرف اتنا اندھیرا ابھی نہیں تھا
میں نے تو یہ منظر کبھی دیکھا بھی نہیں تھا

ہر شخص ہے تہذیب کی محفل میں اکیلا
پہلے کوئی اتنا تو اکیلا بھی نہیں تھا

کچھ لوگ موافق تھے تو کچھ لوگ مخالف
مغلوب ہوا ہے جو وہ تنہا بھی نہیں تھا

تلوار پہ چلتے ہیں یقیں ہم کو دلانے
کرتا کوئی شک ان پہ جو ایسا بھی نہیں تھا

کیا جانے نظر کس کی تھی اس دامنِ گل پر
پہلے کبھی کانٹوں میں یہ الجھا بھی نہیں تھا

رک جاتے وہیں تاج صیاد بیٹے جو ہم کو
دیکھا جو اُدھر مڑ کے تو سایہ بھی نہیں تھا





چاندنی جب نگاہ میں ہوگی
زندگی میری راہ میں ہوگی

اس لئے ہم بھی آہ کرتے ہیں
کچھ تو تاثیر آہ میں ہوگی

جس کو کہتے ہیں منزلِ آخر
وہ ابھی تک بھی راہ میں ہوگی

زندگی تیری فکر ہے مجھکو
جانے کس کی پناہ میں ہوگی

جو دعا جا چکی ہے سوئے فلک
وہ ابھی مہر و ماہ میں ہوگی

ہے یقیں مجھ کو زندگی اے تاج
پھر بھی تیری پناہ میں ہوگی





جب خیالوں میں کسی کی یاد کا پیکر رہا
اک تلاطم تھا کہ اپنی ذات کے اندر رہا

آپ کی چارہ گری مرہونِ منت تھی مگر
پھر بھی کیوں پیوست دِل میں طنز کا نشتر رہا

گردشِ دوراں سے کب مٹتے ہیں ماضی کے نقوش
پیار کا پہلا سبق تو مدتوں ازبر رہا

دیکھتے ہی دیکھتے سب رہ گئے اہلِ نظر
آئینہ میں قید پھر بھی حُسن کا پیکر رہا

لوگ تو دستِ دُعا سے لعل و گوہر لے گئے
اپنے دامن کے مقدر میں فقط پتھر رہا

تا آج ہم ہی جانتے ہیں کیسے گزری زندگی
سر پہ اپنے ہر گھڑی جیسے کہ اک خنجر رہا





شمشیر بہ کف شہر میں اک ہم تو نہیں ہیں
ویسے بھی کسی اور سے ہم کم تو نہیں ہیں

یہ سچ ہے کہ خوشیوں کا ہے دامن ابھی خالی
جتنے بھی ملے ہیں ہمیں غم، کم تو نہیں ہیں

یہ سچ ہے کہ ہم روتے ہیں دریاؤں کی مانند
دامن سبھی لوگوں کے یہاں نم تو نہیں ہیں

اے گردشِ دوراں نظر انداز نہ کرنا
ہم تجھ سے کسی حال میں اب کم تو نہیں ہیں

رہ رہ کے مرے دل سے سوال اٹھتا ہے اکثر
آنسو یہ مرے زینتِ شبنم تو نہیں ہیں

اے تاج! ادھوری رہی پہچان ہماری
سب لوگ ہیں محفل میں مگر ہم تو نہیں ہیں





وہ آئے بزم میں کچھ ایسے اہتمام کے ساتھ
ہر اک نگاہ اُٹھی اُن پہ احترام کے ساتھ

جو لوگ شمعِ محبت کی بات کرتے ہیں
جلا رہے ہیں وہ دل کتنے اہتمام کے ساتھ

نہ جانے کس نے صلیبوں کی ٹوٹی تختی پر
تمہارا نام بھی لکھا ہے میرے نام کے ساتھ

رہا جو ساتھ بہاروں کا ہمسفر بن کر
حیات چلنے لگی ایسے خوش خرام کے ساتھ

یہی تو غم ہے کہ لہجہ بدلتا رہتا ہے
کبھی پیام سے پہلے، کبھی پیام کے ساتھ

چمن میں ہنستے ہوئے پھول کہہ رہے ہیں تاج
ہمیں بھی ربط رہا ہے ترے کلام کے ساتھ





کون اب دے گا پھر خبر تجھ کو
جب نہ آئیں گے ہم نظر تجھ کو

جب اندھیروں کا سامنا ہوگا
یاد آئے گی تب سحر تجھ کو

موسمِ گُل کا یہہ بھی تحفہ ہے
مل گئی ہے جو چشمِ تر تجھ کو

اُس سے کہنا کہ خود کو پہچانے
ڈھونڈتا ہے کوئی اگر تجھ کو

زخمِ دل سے ترے اُجالا ہے
لوگ کہنے لگے قمر تجھ کو

دل میں اے تاج! زخم رہنے دے
یاد آئیں گے عمر بھر تجھ کو





مہرباں سمجھے تھے ہم جن کو ستمگر نکلے
آستینوں میں چھپائے ہوئے خنجر نکلے

شبنمی پلکوں پہ کیوں ناز ہے اتنا تجھ کو
لطف جب آئے کہ آنکھوں سے سمندر نکلے

اَب در و بام کے سایے میں بہلنا کیسا
دھوپ کی طرح ترے درد کے پیکر نکلے

وہ کسی وقت بھی موسم کے طرفدار نہ تھے
خار، پھولوں سے تو ہر حال میں بہتر نکلے

ٹھوکروں سے ہوا احساس مجھے منزل کا
سنگ جو راہ میں تھے وہ مرے رہبر نکلے

آئینے دُور سے اے تاجؔ بھلے لگتے تھے
پاس آکر انہیں دیکھا تو وہ پتھر نکلے





پتہ پتہ پہ مرا نام نہیں تھا پہلے
گل کھلانے کا یہ الزام نہیں تھا پہلے

اعتبارِ نگہِ دوست کے قابل نہ رہا
میرا دل اتنا تو ناکام نہیں تھا پہلے

بسترِ خار پہ بھی چین سے اب سوتے ہیں
فرشِ گل پر جنہیں آرام نہیں تھا پہلے

لوگ ہر زخم پہ اب حرف زنی کرتے ہیں
اتنا آسان تو یہ کام نہیں تھا پہلے

ہم تو ہر دورِ مصیبت سے گذر آئے ہیں
یہ الگ بات کہ آرام نہیں تھا پہلے

تاج سے مل کے یہ احساس ہوا ہے ہم کو
زندگی، اتنا حسیں نام نہیں تھا پہلے





تلوار کوئی کب کسی قاتل سے اُٹھے گی
جب آہ مرے پائے سلاسل سے اُٹھے گی

پروانہ رہائی کا مجھے سونپنے والو!
وہ چشمِ کرم کب مری محفل سے اُٹھے گی

لے آئیں گے اُس روز کئی کشتیاں کچھ لوگ
جب موجِ حوادث مرے ساحل سے اُٹھے گی

دیوانوں سی جو وضع بنا رکھی ہے میں نے
یہ رسمِ جنوں بھی تو مرے دل سے اُٹھے گی

تھک ہار کے یہ زندگی اب بیٹھ گئی ہے
اب در سے تمہارے بڑی مشکل سے اُٹھے گی

کیا گزرے گی اے تاجؔ ذرا سوچ لو ہم پر
جب لاش کوئی کوچۂ قاتل سے اُٹھے گی





دشوار اگرچہ راہ تھی ہم بے خطر گئے
منزل کو چھوڑتے ہوئے آگے گزر گئے

لڑتے رہے اندھیروں سے جو لوگ عمر بھر
جب آئی صبحِ نو تو اُجالوں سے ڈر گئے

ساحل پہ خوف اُن کو بھی طوفاں کا رہا
ہم تو سمندروں کی بھی تہہ میں اُتر گئے

اپنی نظر میں یوں تو اُجالا رہا سدا
کچھ لوگ پھر بھی اپنے ہی سایہ سے ڈر گئے

نغمے وفا پرستوں کے وہ کیا سنائیں گے
جو لوگ صُبحِ نو کی بھی دستک سے ڈر گئے

پھرتے ہیں شہر شہر خود اپنی تلاش میں
اے تاج! لوگ شہر کے ایسے بکھر گئے





روشنی پھیل گئی ہے دلِ ویراں کی طرف
پھر چلی آئی صبا کوچۂ جاناں کی طرف

کب سے ناکردہ گناہی کا لہو کا بہتا ہے
دیکھ قاتل تو ذرا میری رگِ جاں کی طرف

دل تو زخموں سے ہوا جاتا ہے گلنار مگر
اک نظر دیکھ ذرا میرے گلستاں کی طرف

جب بھی دشوار ہوئی ہیں مری سانسیں مجھ پر
خود چلے آئے مسیحا دلِ ناداں کی طرف

پاؤں زخمی ہوئے کتنے، یہ سمجھ میں آتا
اک نظر دیکھتے گر میرے گلستاں کی طرف

عمر بھر تم بھی تعاقب میں رہے ساحل کے
تا آج تم نے بھی تو دیکھا نہیں طوفاں کی طرف





دل ہی ٹوٹا نہ تو پھر آنکھ سے آنسو نکلا
میں نے جب آئینہ دیکھا تو فقط تُو نکلا

یوں چلی آئی تمنا کوئی سیرِ گُل کو
دشتِ بے نام میں جیسے کوئی آہو نکلا

خود بہ خود ہم ہی صلیبوں کی پناہوں میں گئے
ظلم سے بچنے کا جب کوئی نہ پہلو نکلا

اپنے دامن کو سجانے کے لئے لوگ آئے
ایک ایک زخم مرے دل کا جو گُل رُو نکلا

میرے اُجڑے ہوئے گلشن میں بہار آتے ہی
تذکرہ آپ کا ہر بزم میں ہر سُو نکلا

چہرہ صبح پہ اب تک بھی ضیاء ہے اُس کی
تاج کی آنکھ سے ایسا بھی اک آنسو نکلا





کس نے کیا ہے عہدِ وفا زندگی کے ساتھ
ایسا بھی کوئی جینا ہے اِس بے دلی کے ساتھ

ہرگز نہ ہوگی کم کبھی پھولوں کی تازگی
نسبت ہے دل کو آج بھی ہر اک کلی کے ساتھ

پلکوں پہ آنسوؤں سے چراغاں کئے ہوئے
آئے ہیں تیری بزم میں ہم روشنی کے ساتھ

تم جیسے لوگ شورِ سلاسل سے ڈر گئے
ہم دار پر بھی چڑھ گئے کتنی خوشی کے ساتھ

ٹوٹا جو میرا دل تو ہوئے آپ غمزدہ
رشتہ ہے شاید اپنا ابھی زندگی کے ساتھ

اے تاجؔ ! ہم کبھی تہی دامن نہیں رہے
سائے بھی مل گئے ہیں ہمیں روشنی کے ساتھ





تمام عمر تلاشِ سحر میں رہتے ہیں
ہم ایسے لوگ ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں

کسے ہے دوست یہاں فرصتِ مسیحائی
جہاں کے زخم تو اپنے جگر میں رہتے ہیں

زمانہ اب ہے کہاں اہلِ فن کا قدر شناس
جو اوج پر ہیں وہی تو نظر میں رہتے ہیں

صبا تو ایک گلستاں پہ ناز کرتی ہے
کئی فسانے مری چشمِ تر میں رہتے ہیں

کبھی تو دیکھئے دنیا کو اپنی آنکھوں سے
نہ جانے آپ بھی کس کے اثر میں رہتے ہیں

حیات تیری نہ کیوں تاج اتنی روشن ہو
سنا ہے شمس و قمر تیرے گھر میں رہتے ہیں





تھی عذابوں کی سب خبر پھر بھی
زندگی ہو گئی بسر پھر بھی

منتظر ہم بھی تھے اُجالوں کے
تم نے دیکھا نہیں اِدھر پھر بھی

کتنے کانٹے چُبھے ہیں دامن سے
رہ گئے پاؤں ہیں مگر پھر بھی

کب اندھیروں کی آرزو کی تھی
روٹھی روٹھی رہی سحر پھر بھی

ایک انجانا خوف طاری تھا
ہو گئے تیرے ہمسفر پھر بھی

آرزو کے چراغ روشن تھے
تھا اندھیروں کا کچھ اثر پھر بھی

تاج ہونٹوں پہ تھا تبسّم بھی
جھلکی جھلکی رہی نظر پھر بھی





کس کو معلوم کہ وہ کس نے یہ دکھلائی ہے
دُور سے ہی سہی منزل تو نظر آئی ہے

اتنا اچھا تو نہیں ہے یہ مرا طرزِ سخن
آپ ہی کی یہ فقط حوصلہ افزائی ہے

پھر سے آنے لگی کلیوں کے چٹکنے کی صدا
ایسا لگتا ہے کہ گلشن میں صبا آئی ہے

زندگی یوں تری آواز سے مانوس ہیں ہم
جیسے ماحول میں بجتی ہوئی شہنائی ہے

کہکشاں بن کے چمکتی رہیں پلکیں میری
رات جب سے مرے آنگن میں اُتر آئی ہے

جیتے جی ہم کو کسی نے بھی نہ پوچھا اے تاجؔ
زندہ رہنے کی عجب ہم نے سزا پائی ہے





جب تلک غم سوا نہیں ہوتا
دل کا کچھ بھی بھلا نہیں ہوتا

صرف زخمی نہیں ہے موجِ نسیم
ویسے زنداں میں کیا نہیں ہوتا

زخمِ دل کا نہ پوچھیے عالم
کب یہ گلشن ہرا نہیں ہوتا

کشتیوں کو مری ڈبو کر بھی
مطمئن ناخدا نہیں ہوتا

منزلیں ہوں اگر نگاہوں میں
راستہ، راستہ نہیں ہوتا

خود بہ خود راستے نکلتے ہیں
جب کوئی راستہ نہیں ہوتا

گُل ہو گلشن ہو، چاندنی ہو تاج
کچھ بھی راحت فزا نہیں ہوتا





جو اہلِ وفا صاحبِ کردار ہوئے ہیں
سر اُن کے چراغِ رسن و دار ہوئے ہیں

تزئینِ گلستاں کو جو تیار ہوئے ہیں
کیا جانیئے وہ کس کے طرفدار ہوئے ہیں

کم کم ہی سہی ہم کو بھی بینائی ملی ہے
ہم بھی مئے نظارہ سے سرشار ہوئے ہیں

یا رب ! نہ سبب پوچھ پشیمانی کا ہم سے
ناکردہ گناہی کے سزاوار ہوئے ہیں

شہرت تھی کبھی جن کی مسیحائی پہ اپنی
ہے طرفہ تماشہ وہی بیمار ہوئے ہیں

تنہا کہاں جاتی ہے اندھیروں کو چھپائے
اے صبح ! ٹھہر ہم بھی تو بیدار ہوئے ہیں

اے تاجِ قفس ہے نہ سلاسل ہے نہ صیاد
ہم شوقِ نشیمن میں گرفتار ہوئے ہیں





تری پلکوں پہ جتنی بھی نمی ہے
مرے زخموں میں اُتنی روشنی ہے

نہ اِتراؤ اُجالوں پر تم اپنے
ہمارے شہر میں بھی کیا کمی ہے

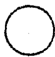
جسے ہم نے کبھی اپنا نہ سمجھا
وہی تو اب ہماری زندگی ہے

بچا کر رکھئے اپنے آشیاں کو
یہاں بادِ مخالف چل رہی ہے

تمہیں ہم دُور سے پہچان لیں گے
ابھی نظروں میں اِتنی روشنی ہے

ہمارا آج کچھ بھی تو نہ بدلا
جو حالت پہلے تھی وہ آج بھی ہے





آپ گر مہرباں نہیں نہ سہی
میری جنّت یہاں نہیں نہ سہی

کوئی تو آستاں ملے گا ہمیں
آپ کا آستاں نہیں نہ سہی

اپنے نغمے ہمیشہ گونجیں گے
تم مرے ہم زباں نہیں نہ سہی

اپنی ہوگی بسر کہیں نہ کہیں
شاخ پر اپنا آشیاں نہیں نہ سہی

زندگی کیا ہے یہ تو کہہ دیجئے
اس کے آگے جہاں نہیں نہ سہی

عقل کی بات بھی تو سنتا ہے
دل اگر شادماں نہیں نہ سہی

دوسروں کے تو گھر ہیں آباد
تاج اپنا مکاں نہیں نہ سہی



آنکھ میں میری کب تھے آنسو
کس نے دیکھے پھول سے آنسو

اُس نے جب ہنسنے کو کہا تھا
جانے کیسے برسے آنسو

میرا کیا ہے میں تو چُپ ہوں
کیسے دیکھوں تیرے آنسو

کالی راتیں جب بھی آئیں
پلکوں پر پھر چمکے آنسو

اللہ اللہ چاند ستارے
دامن پر ہوں جیسے آنسو

تاج مجھے معلوم نہیں ہے
کس نے مجھکو بخشے آنسو